TEXT FLY WITHIN THE BOOK ONLY

دنیا کے بسنے والے

UNIVERSAL LIBRARY
OU_188020
UNIVERSAL LIBRARY

دنیا کے بسنے والے

Checked 1978

مکتبہ جامعہ دہلی

دُنیا کے بسنے والے

مؤلفہ

سیّد بشیر حسین صاحب زیدی بی۔ اے (کینٹب)
بیرسٹر ایٹ لا

مکتبہ جامعہ
دہلی، نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی ۳

بار چہارم ایکہزار

قیمت ۱۰ر

Checked 1965

Checked 1969

Checked 1976

محبوب المطابع برقی پریس دہلی

188020

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسکیمو

یہاں سے ہزاروں میل پرے شمال کی جانب گرین لینڈ اور شمالی امریکہ کے ساحلوں پر ایک قوم بستی ہے جسے اسکیمو کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا ملک ہمیشہ برف سے ڈھکا رہتا ہے اور جدھر نظر ڈالو یہی معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے سفید فرش بچھا رکھا ہے، درخت کا تو ان کے ملک میں کہیں نشان ہی نہیں اور اگر اتفاق سے اِکا دُکا درخت ہوا بھی تو وہ حد سے حد ڈیڑھ گز اونچا ہوتا ہے۔ بے چارے اسکیموؤں کے یہاں نہ کھیت ہوتے ہیں نہ باغات، نہ مویشی نہ گھوڑے، نہ بھیڑ بکری۔

اگر یہ اپنا سارا ملک چھوڑ کر سمندر کے کنارے نہ آ بسیں تو انھیں نہ
کھانا میسر ہو نہ کپڑا یہی وجہ ہے کہ اسکیمو ہمیشہ سمندر کے کنارے رہتے ہیں
اچھا تو اب سوال یہ ہے کہ سمندر کے کنارے رہ کر یہ لوگ اپنی
گزر اوقات کس طرح کرتے ہیں؟ تم کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ ان
لوگوں کی زندگی کا دارومدار محض ان چند بڑے جانوروں پر ہے جو
وہاں کے سمندر میں پائے
جاتے ہیں، یعنی سیل،
ویل اور والرس کھانا
کپڑا، ٹوپی، بوٹ گرمیوں
میں رہنے کے لئے ڈیرے
اور بہت سی ضروریات

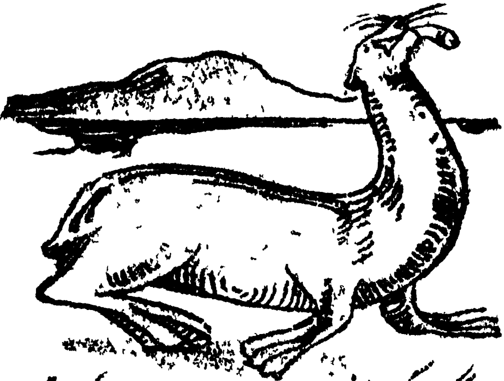

زندگی اسکیمو انھیں جانوروں سے پوری کرتے ہیں اسی وجہ سے ان لوگوں
کی بستیاں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں کیونکہ اگر بہت سے لوگ ایک جگہ رہنے
لگیں تو وہاں کے جانور کچھ عرصے میں کام آجائیں اور پھر نہ انھیں
کھانے کو ملے اور نہ پہننے کو۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بے حد سردی کی وجہ سے ان لوگوں کے ملک میں درخت نہیں اُگتے تو پھر ظاہر ہے کہ لکڑی بھی نہ ہوتی ہوگی

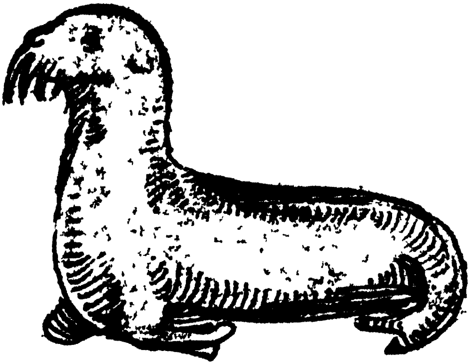

بعض اوقات گرم ملکوں سے چلی ہوئی لکڑی بہتی بہتی اُن کے ساحل سے آلگتی ہے یہ لوگ اُسے جمع کرکے بے حد احتیاط سے رکھتے ہیں اور ایک انچ بھر بھی ضائع نہیں کرتے بلکہ اسی کی وجہ سے بہت لوگ اپنے مکانات ایسی جگہ ڈھونڈ کے بناتے ہیں جہاں سمندر اپنے ساتھ کچھ لکڑی بہا لائے۔ عورتیں گھر کے تمام کپڑے جانوروں کی کھال سے بناتی ہیں، ان کے اور مردوں کے لباس میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سردی اس قدر ہوتی ہے کہ سب لوگ ایک ہی وقت میں دو دو جوڑے کپڑے ایک کے اوپر ایک پہنتے ہیں باہر کے جوڑے کی سمور باہر کی طرف ہوتی ہے، لیکن اندر کے جوڑے کی سمور جسم سے لگی رہتی ہے، اسی طرح یہ لوگ ایک ہی

ساتھ دو دو جوڑے جوتے پہنتے ہیں اور چمڑے کے دستانے تو ہر شخص استعمال

کرتا ہے کوٹ کی پشت پر ایک قسم کی برساتی سی لٹکی رہتی ہے اور عورتوں کے
کوٹ پر تو یہ بہت ہی بڑی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے بچوں کو اسی میں لپیٹ
کر لئے پھرتی ہیں تمھیں یہ معلوم کرکے بہت ہنسی آئے گی کہ جن کھالوں کے
کپڑے بنانے ہوں انھیں عورتیں اپنے دانتوں سے آہستہ آہستہ چبانا شروع
کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ تمام کھال کو نرم بنا دیتی ہیں۔

ہم تم تو جاڑے، گرمی، برسات سدا ایک ہی مکان میں رہتے ہیں مگر

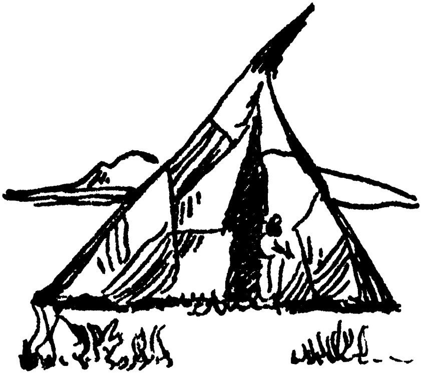

اسکیموؤں کا مکان جاڑے
کے لئے اور ہوتا ہے اور گرمی
کے لئے اور۔ گرمیوں میں وہ
ڈیروں میں رہتے ہیں جو
سیل کی کھالوں کو نہایت
صفائی سے جوڑ کے بنائے
جاتے ہیں ان کے بیچ میں ایک لمبا سا بانس لگا ہوتا ہے آگ ڈیرے کے

باہر جلائی جاتی ہے۔ ان کا جاڑے کا مکان بہت ہی عجیب ہوتا ہے۔ یہ
برف کی سلوں کو جوڑ کے بنایا جاتا ہے اور دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے
جیسے کسی نے ایک بڑا سا پیالہ اُلٹ کے رکھ دیا ہو، دروازہ کے باہر برف

کی بنی ہوئی نہایت ہی تنگ اور لمبی سی سرنگ ہوتی ہے اور مکان میں آنے جانے کے لئے لوگ اس میں سے جانوروں کی طرح ہاتھ پاؤں کے بل رینگتے ہوئے گذرتے ہیں۔ اس ملک میں شیشہ بالکل نایاب ہے' اس لئے کھڑکیاں یا تو برف کے باریک ٹکڑوں کی بنائی جاتی ہیں۔ یا مہین چمڑے کی۔

اس برفانی مکان کے اندر برف ہی کی ایک بڑی سی بنچ ہوتی ہے یہی اسکیمو کے پلنگ کا کام دیتی ہے اور سردی سے بچنے کے لئے وہ اس پر بہت سی کھالوں اور سموروں کو بچھا لیتے ہیں۔ آگ جلانے کے لئے لکڑی تو اس ملک میں ہوتی ہی نہیں، اس کی جگہ تیل کے لیمپ استعمال کئے جاتے ہیں یہ لیمپ پتھر کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور تیل سیل کی چربی پگھلا کے بناتے ہیں۔ کھانا پکانا ہو تو انھیں لیمپوں کے اوپر پکاتے ہیں اور کپڑے سکھانے ہو تو انھیں کے سامنے رکھ دیتے ہیں، ان کی گرمی اس قدر سخت ہوتی ہے کہ بعض اوقات تو لوگ اسے برداشت نہیں کر سکتے اور اپنے تمام کپڑے اتار ڈالتے ہیں۔

چونکہ اسکیمو کے ملک میں سردی بے حد پڑتی ہے اس لئے پانی ہر جگہ جم کر برف بن جاتا ہے۔ اگر پیاس لگے اور پانی پینا ہو تو برف کو پگھلانا

پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ نہاتے بہت کم ہیں اور بے حد غلیظ رہتے ہیں جب ماں اپنے بچے کو صاف کرنا چاہتی ہے تو اس کا مُنہ دھلانے یا نہلانے کی بجائے بلی کی طرح اس کے سارے جسم کو زبان پھیر پھیر کر خوب چاٹتی ہے۔

ہم تمھیں تبلا چکے ہیں کہ اسکیمو کا دارومدار سیل اور والراس پر ہے انھیں کی بدولت اسے کپڑے نصیب ہوتے ہیں، انھیں کی چربی پگھلا کر اسے تیل ملتا ہے اور انھیں کا گوشت کھا کر وہ اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ سیل کے گوشت کے پکانے کی تکلیف اس کے نزدیک بالکل فضول ہے اسے تو کچا ہی گوشت اچھا معلوم ہے، اس کے علاوہ جانوروں کو کاٹ کر ان کا خون غٹ غٹ پی جانے کا بھی اسے بے حد شوق ہے چربی کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو وہ ایسے ہی شوق سے کھاتا ہے جیسے تم قلاقند یا پیڑے کو۔ بتیاں جو تم نے شمع دانوں میں جلتی دیکھی ہوں گی اگر اسکیمو کے سامنے رکھ دی جائیں تو وہ انھیں بھی بڑی رغبت سے کھا جائے

بے چارے اسکیمو کو اپنا گذارہ کرنے کے لئے بے حد محنت کرنی پڑتی ہے اگر وہ کاہلی کے مارے گھر پر پڑا رہے تو اسے نہ دن کو کھانا ملے نہ رات کو تیل۔ غریب صبح سے شام تک خون پسینہ ایک کرتا ہے کہ کسی

طرح اپنے لئے خوراک اور کپڑے حاصل کرے۔ وہ بڑا ہی ہوشیار شکاری ہوتا ہے اور سینکڑوں قسم کے داؤگھات سے واقف۔ جاڑوں کے موسم میں جب سمندر کی سطح پر پانی جم جاتا ہے تو سیل مچھلیاں برف کے نیچے چھپ

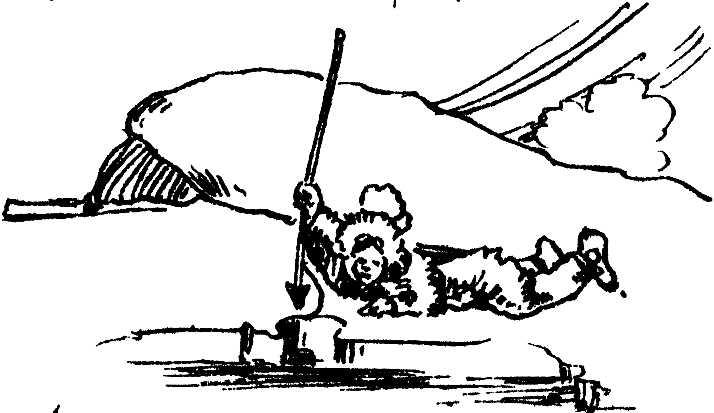

جاتی ہیں لیکن سانس لینے کے لئے انھیں بار بار اوپر آنا پڑتا ہے چالاک اسکیمو آہستہ آہستہ جا کر برف کی سطح پر کسی سوراخ کے قریب گھنٹوں چپ چاپ پڑا رہتا ہے جوں ہی کوئی سیل اوپر آئی وہ جھٹ اس کے سر میں نیزہ کھینچ مارتا ہے اور اسے گھسیٹ کر خشکی پر لے آتا ہے۔

گرمیوں کے موسم میں جب سمندر کی سطح پر جمی ہوئی برف پگھل چکتی ہے تو اسکیمو اپنی چھوٹی سی کشتی میں جسے کیاک کہتے ہیں بیٹھ کر شکار کی تلاش

یں نکلتا ہے اس کشتی کا ڈھانچ کسی ہلکی لکڑی یا ویل مچھلی کی ہڈیوں کا بنا ہوا ہوتا ہے اور اس کے اوپر کھال منڈھ دیتے ہیں لیکن بیچ میں ایک سوراخ کھلا چھوڑ دیتے ہیں جو اتنا بڑا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اس میں گذر کر کشتی میں

بیٹھ سکے، یہ کشتی ایسی ہلکی پھلکی اور چھوٹی سی ہوتی ہے کہ اگر ہم اس میں بیٹھیں تو وہ بہت جلد الٹ جائے اور ہم پانی میں گر پڑیں لیکن اسکیمو تو بچپن ہی سے اس کے چلانے کی مشق کرتا ہے اور اس قدر مہارت ہو جاتی ہے کہ اگر وہ لوٹ بھی جائے تو وہ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہتا ہے اور فوراً کشتی کو سیدھا کر کے پھر چلانا شروع کر دیتا ہے ۔

ان شکاریوں کے معمولی ہتھیار نیزے اور ہارپون ہوتے ہیں ہارپون ایک لمبی سی لکڑی ہوتی ہے جس کے ایک سرے پر تو باریک نوک نکلی ہوتی ہے اور دوسری طرف رسی کا ٹکڑا بندھا ہوتا ہے جب شکاری

ہارپون سے کسی جانور پر حملہ کرتا ہے تو نوک اس کے
بدن میں گھس جاتی ہے اور شکاری رسی کے ٹکڑے
کو کھینچ لیتا ہے اس طرح لکڑی کا ایک ہی ٹکڑا سینکڑوں
بار کام آتا ہے کیونکہ جیسا تمھیں معلوم ہے اسکیمو کے
ملک میں لکڑی بہت کم ہوتی ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے
ٹکڑوں کی بھی قدر کرتا ہے، نیزوں اور ہارپونوں کے
سرے پر جو باریک نوک لگی ہوئی ہوتی ہے، وہ پتھر، ہڈی
یا ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر
لوگوں نے لوہے کا نام بھی نہ سنا تھا لیکن اب وہاں اور ملکوں سے لوہا جانے لگا
پرندوں اور بارہ سنگھے کا شکار کرنے کے لئے اسکیمو تیر و کمان کا استعمال
بھی کرتے ہیں، کمان لکڑی کے چھوٹے موٹے ٹکڑے جوڑ کر تیار کی جاتی ہے اور
تیر کی نوک ہڈی کی بنتی ہے مچھلیاں پکڑنے کے کانٹے بھی ہڈی کے ہوتے
ہیں اور اتنے عمدہ کہ ولایت کے بنے ہوئے کانٹے بھی ان کا مقابلہ نہیں
کر سکتے۔ ان سب باتوں سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اسکیمو جن کے ملک
میں لوہا نہیں ہوتا کس طرح ہڈی سے طرح طرح کے کام نکالتے ہیں۔

خشکی پر سفر کرنے کے لئے اسکیمو لکڑی کی ایک چھوٹی سی گاڑی استعمال

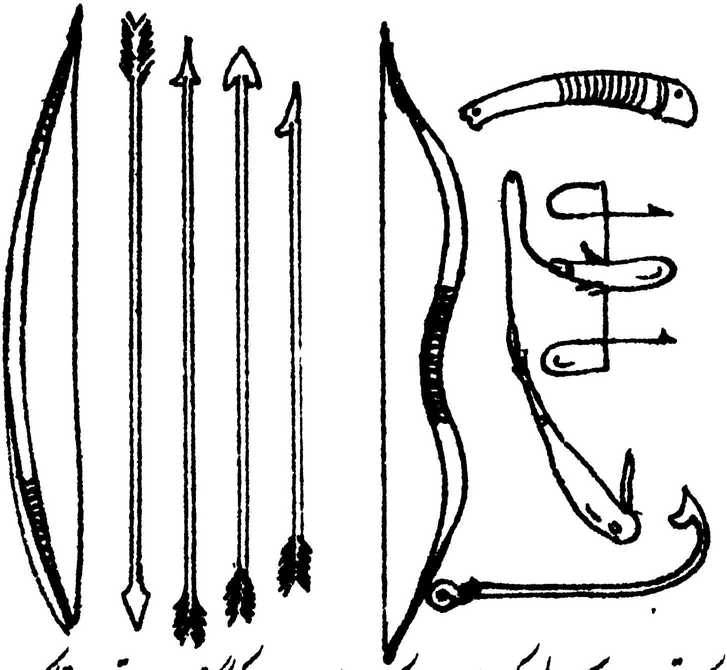

کرتے ہیں جسے سلج کہتے ہیں۔ یہ ایک بے پہیوں کی گاڑی ہوتی ہے تاکہ وہ
آسانی سے برف کے اوپر پھسل سکے۔ اس کے نیچے ہڈی کے سپاٹ ٹکڑے لگا دیتے
ہیں ان گاڑیوں میں کتوں کو جوتتے ہیں۔ اس ملک میں گھاس تو ہوتی ہی
نہیں، گھوڑے رکھیں تو کیسے؟ لیکن کتا اپنے آقا کی طرح گوشت پر گذارہ
کر سکتا ہے۔ جب کبھی سیل کا شکار ہوا آدمیوں اور کتوں نے مل بانٹ کر

کھالیا۔ یہ کتے بہت بڑے ہوتے ہیں اور دور سے دیکھو تو ان میں اور بھیڑیوں میں تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے بعض وقت جب ان کتوں پر وحشت سوار ہوتی ہے تو وہ اپنے آقا تک کی پروا نہیں کرتے اور اگر بس چلے تو اسے مار کر کھا جائیں اسی واسطے ان کو ہانکنے کے لئے سیل کی کھال کا

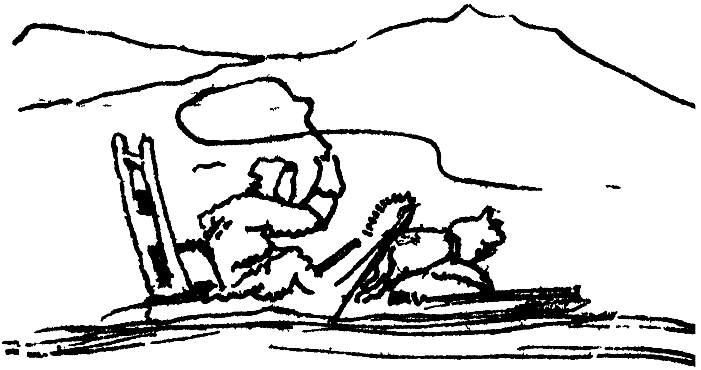

مضبوط سا کوڑا استعمال کیا جاتا ہے۔

جب کوئی آدمی مرتا ہے تو اس کے جسم کو برف میں داب دیتے ہیں یا چٹانوں پر رکھ دیتے ہیں اور اس کے قریب اس کے استعمال کی تمام چیزیں مثلاً کوٹ، کوڑا یا ٹب وغیرہ رکھ دی جاتی ہیں تاکہ اگر اس کو اگلی دنیا میں ان چیزوں کی ضرورت پڑے تو وہ اس کے کام آئیں۔

ریڈ انڈین، یا سُرخ ہندی

شمالی امریکہ کے مشرقی اور مغربی ساحلوں پر پہاڑوں کے سلسلے
دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں، اونچی اونچی پہاڑیوں سے گھرے ہوئے
بہت سے وسیع میدان ہیں جن میں سوائے گھاس کے کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا
میلوں تک جدھر نگاہ اٹھاؤ درخت کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس
کی وجہ یہ نہیں کہ یہ ملک بے حد ٹھنڈا ہے یا یہاں کی زمین خراب ہے بلکہ
اس کا اصلی سبب بارش کی کمی ہے۔ شمالی امریکہ کے ان گھاس سے ڈھکے
ہوئے علاقوں کو پیریز کہتے ہیں۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ یہ علاقے سرخ ہندیوں
کے مختلف قبیلوں کا گہوارہ تھے۔ یہ لوگ جن کا نام سُرخ ہندی ہے نہ ہندوستان
کے رہنے والے ہیں نہ ان کے بزرگوں کا ہمارے ملک سے کبھی کوئی تعلق تھا
اور نہ ان کا رنگ ہی سُرخ ہوتا ہے۔ اُن کا جو یہ غلط نام پڑ گیا ہے اس کا
قصہ اصل میں یوں ہے کہ اب سے تقریباً پانسو برس پیشتر یورپ والے اس کوشش
میں تھے کہ سمندر کے ذریعے ہندوستان پہنچنے کا راستہ ڈھونڈھ نکالیں۔ اس زمانے

میں ہندوستان کی دولت اور ترقی کا ڈنکا تمام دنیا میں بج رہا تھا اور سب قوموں کی یہ خواہش تھی کہ ہم اس سے تجارت کریں۔ اسپین کے ایک بڑے تجربہ کار اور بہادر جہاز راں کولمبس نے اس بات کا بیڑا اٹھایا کہ وہ ہندوستان کا راستہ معلوم کرے گا، اسپین سے لنگر اٹھا کر وہ مغرب کی سمت چل کھڑا ہوا اور کئی مہینے کے سفر کے بعد جب اس کے جہاز نے ایک نئے ملک کے ساحل کو چھوا تو وہ سمجھا کہ ہو نہو یہی ہندوستان ہے وہاں کے لوگ اپنے چہروں پر ایک قسم کا سرخ رنگ ملا کرتے تھے اس لیے کولمبس نے اُن کا نام سُرخ ہندی رکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ ملک ہندوستان نہیں امریکہ ہے لیکن وہاں کے اصلی باشندوں کا نام آج تک سُرخ ہندی ہی چلا آتا ہے اب امریکہ میں کروڑوں یورپین لوگ جا بسے ہیں اور سُرخ ہندیوں کے بہت سے قبیلوں کا نام و نشان مٹ گیا ہے اور جو باقی ہیں وہ بھی بیچارے دن بدن تعداد میں گھٹتے جا رہے ہیں لیکن ایک زمانہ تھا کہ جب یہ لوگ تمام ملک کے مالک تھے اور مختلف قبیلے بنا کر رہا کرتے تھے ان میں سے اکثر قبیلوں کا دار و مدار اسکیموؤں کی طرح شکار پر تھا لیکن فرق یہ تھا کہ اسکیمو تو ایک ڈھکے ہوئے ملک میں سمندر کے کنارے

رہتے تھے لیکن یہ لوگ وسیع میدانوں کے باشندے تھے جہاں گھاس خوب پیدا ہوتی تھی. باوجود اس کے کہ ان کے پاس گھوڑے تھے نہ گائیں نہ بھیڑیں اور نہ وہاں ہمارے ملک کی طرح کسی قسم کا ناج، مثلاً گیہوں جو وغیرہ پیدا ہوتا تھا، ان کا ذریعہ معاش صرف شکار تھا اور وہ بھی "بی زن" کا. "بی زن" کی شکل گائے سے بہت ملتی جلتی ہے اس کی گردن اور

کمر پر بے شمار بال ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ نہایت طاقتور معلوم ہوتا ہے یہ جانور ہوتا تو ہے بہت بھدا لیکن دوڑتا خاصہ تیز ہے اس کا شکار کر کے ہندی اپنی بہت سی ضروریات پوری کرتے تھے. کچھ عرصہ پیشتر امریکہ میں لکھوکھا "بی زن" تھے. لیکن اب یہ جانور معدوم ہو چلا ہے. ہندی اور بی زن کے ملک پر اب یورپ کے لوگوں کا قبضہ ہے اور انھوں نے ان دونوں کی نسلوں

کو بہت کچھ نیست و نابود کر دیا ہے

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہندیوں کی زندگی اسکیموؤں کے مقابلے میں کچھ زیادہ آرام و آسائش کے ساتھ کٹتی ہے۔ پریئریز میں گھاس کی بہتات ضرور تھی۔ لیکن گھاس کا وہ کیا کرتے۔ مویشی اور گھوڑے تو ان کے پاس ہی نہیں جس طرح اسکیموؤں کی زندگی کا دارومدار محض "سیل" پر تھا اسی طرح ہندیوں کا ذریعہ معاش صرف بی زن تھا۔

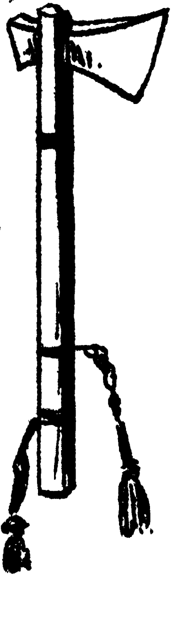

لوہے کا استعمال اسکیموؤں کی طرح ہندیوں کو بھی معلوم نہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کے شکار کے تمام ہتھیار سینگ یا ہڈی کے ہوتے تھے، تیر کے علاوہ گرز، چاقو اور ایک خاص قسم کی کلہاڑی جس کا نام "لوٹماک" تھا استعمال کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی ہتھیار لوہے کا نہ تھا، البتہ ہندیوں کے یہاں اسکیموں کی طرح لکڑی کا قحط نہ تھا۔ اگرچہ پریئریز میں درخت نہیں ہوتے تاہم قرب و جوار کے پہاڑوں پر جو جنگلات ہیں ان سے لکڑی دستیاب ہو سکتی تھی اپنے کپڑے یہ لوگ بی زن، ہرن، یا پہاڑی بکری کی کھال کے

بناتے تھے۔ کھالوں کو خوب دھو کر ہڈی کے بنے ہوئے چپّو سے کھرچ کھرچ
کر صاف کرتے اور پھر کئی روز تک آگ پر سکھاتے، اس طرح سے کھالیں بالکل
نرم ہو جاتی تھیں۔ ان کو سکھانے اور تیار کرنے کا تمام کام عورتوں کے سپرد
تھا۔ عورتیں اور مرد سب لمبے لمبے کوٹ پہنتے تھے اور ان کے نیچے کولہوں سے

لے کر ٹخنوں تک دونوں ٹانگوں پر چمڑے کے دو پائنچے ہوتے تھے۔ جوتے
جنھیں ان کی زبان میں "مکیسن" کہتے تھے، نہایت نرم چمڑے سے تیار کیے

جاتے تھے اور ان پر یہ لوگ زیبائش کے لئے چھوٹے چھوٹے موتی اور سیپی کے کانٹے لگایا کرتے تھے۔ مرد اپنی ٹوپیوں پر لمبے لمبے نفیس پر لگاتے اور اپنے چہروں پر ایک قسم کی سرخی ملا کرتے تھے۔ اگر کوئی ہندی اپنے دشمن کو ہلاک کرتا تو اس کے کچھ بال اپنی آستینوں اور پائنچوں پر چپکا لیتا۔ جو لوگ بہادری میں مشہور ہوتے وہ اپنے کارناموں کی تصویریں اپنے کوٹوں پر کھینچ لیا کرتے تھے۔ مردوں اور عورتوں کا لباس یکساں تھا البتہ اتنا فرق تھا کہ عورتوں کے کوٹ مردوں سے ذرا زیادہ لمبے ہوتے تھے

رکابیاں، چمچے اور دیگر ضروری اشیاء عام طور پر لکڑی کی ہوتی تھیں۔ پریریز میں جو گھاس اور پودے پیدا ہوتے ہیں ان سے ٹوکرے ٹوکریاں بن جاتی ہیں۔

غذا اور لباس حاصل کرنے کے لئے لازم تھا کہ ہندی ہمیشہ شکار کرتا رہے بی زن اور ہرن زیادہ عرصے تک ایک جگہ نہیں رہتے تھے جب تمام گھاس چر لی تو کہیں اور ٹھکانہ تلاش کیا۔ ہندیوں کو مجبوراً ان کے پیچھے پیچھے جانا پڑتا تھا اسی وجہ سے یہ لوگ رہنے کے لئے مکان کبھی تعمیر نہیں کرتے تھے۔ ان خانہ بدوش لوگوں کو تو ایک ایسے مکان کی ضرورت تھی جس کو جہاں

چاہیں اٹھائے پھریں۔ یہ مقصد ڈیروں سے حاصل ہوتا تھا ان کے بنانے کا کام عورتوں کے سپرد تھا کیوں کہ مردوں کا تمام وقت تو شکار ہی میں صرف ہو جاتا تھا) ہندیوں کے ڈیرے کا نام "دگوام" تھا اور اس طرح بنائے جاتے تھے کہ لکڑی کے لمبے لمبے ڈنڈے لے کر انھیں دائرے میں کھڑا کرتے تھے اور ان کے اوپر کے سروں کو ایک دوسرے کے اوپر ترچھا کرکے باندھ دیتے تھے اس ڈھانچ پر کھالیں ٹانگ دی جاتی تھیں اور ان پر گھر والوں کے کارناموں کی تصویریں بنا دی جاتی تھیں۔ خیمے کی دیواروں پر

دشمنوں کی کھوپڑیوں کے بال چپکا دیتے تھے۔ یہ خیمے بہت آرام دہ ہوتے تھے اور ان کے اوپر بیچوں بیچ ایک سوراخ ہوتا تھا جس میں سے تمام دھواں نکل جاتا تھا آج کل بوائے اسکاوٹ اس قسم کے خیمے بہت استعمال کرتے ہیں۔

جب امریکہ میں یورپین لوگ آئے تو وہ اپنے ساتھ گھوڑے بھی لائے ہندیوں نے اس شریف جانور کو بے حد پسند کیا اور بہت جلد وہ اعلیٰ درجے

کے شہسوار بن گئے، اپنے خیموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا
کام بھی وہ گھوڑوں ہی سے لینے لگے۔ ڈنڈوں کے اوپر کے سروں کو

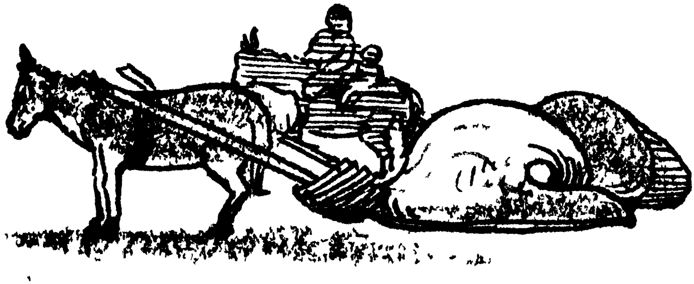

تو وہ گھوڑے کی دونوں جانب باندھ دیتے اور پچھلے سرے زمین پر
گھسٹتے ہوئے چلتے تھے۔ ان ڈنڈوں پر خیمے اور گھر کا تمام سامان
لاد دیا جاتا تھا اور گھوڑے پر ہندی کے بیوی بچے بیٹھتے تھے۔
جاڑے کے موسم میں جب کہ تمام زمین برف سے ڈھک جاتی تھی
ہندی شکار کھیلنے کے لئے برفانی جوتے پہن کر نکلا کرتے تھے ان جوتوں کا
فریم لکڑی کا ہوتا تھا اور اس پر چمڑے کے ٹکڑے بندھے ہوتے تھے یہ جوتے
عام طور پر تقریباً پانچ فٹ لمبے اور اٹھارہ انچ چوڑے ہوتے تھے ان کو پہن

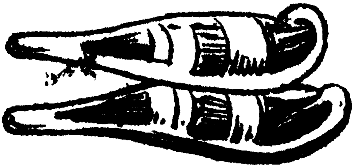

کر شکاری نہایت آسانی اور تیزی
کے ساتھ برف پر چل سکتا تھا اور اس
کے پاؤں برف میں نہیں دھنستے تھے۔
ہندیوں کے جو قبیلے دریا
کے کنارے رہتے تھے وہ خاص قسم کی کشتی استعمال کرتے تھے جسے کینو کہتے ہیں۔

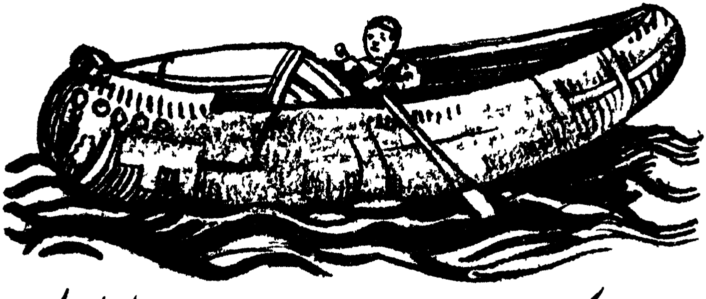

اسکیموؤں کے بیان میں تم نے پڑھا ہے کہ وہ اپنی کیاک لکڑی یا ہڈی کے ڈھانچے پر چمڑا منڈھ کر تیار کرتے ہیں لیکن ہندی اپنی کینوئیں صرف لکڑی کی بناتے تھے۔ وہ پہلے تو لکڑی کا ایک ہلکا سا فریم تیار کرتے اور پھر اس کے اوپر ایک درخت کی چھال چڑھاتے تھے۔ یہ کشتیاں اب دنیا کے اکثر حصوں میں استعمال ہوتی ہیں اور بے حد پسند کی جاتی ہیں۔

وسط ایشیا کے کرغی

اب ہم تمھیں ایشیا کے ان وسیع میدانوں کی طرف لے جاتے ہیں جہاں پریریز کی طرح گھاس ہی گھاس پیدا ہوتی ہے یہ میدان وسط ایشیا میں واقع ہیں اور انھیں اسٹے پیز کہتے ہیں۔ امریکہ کے پریریز کی طرح یہاں بھی جدھر دیکھو سوائے گھاس کے نہ کوئی درخت نظر آئے گا نہ پودا یہاں گرمیوں میں کافی گرمی ہوتی ہے اور سردیوں میں بے حد سردی اس ملک کے باشندوں کو کرغی کہتے ہیں۔

تمھارے دل میں غالباً یہ خیال پیدا ہوگا کہ کرغیوں کا طریق رہائش سرخ ہندیوں سے ملتا جلتا ہوگا کیونکہ یہ دونوں قومیں گھاس کے ڈھکے ہوئے میدانوں میں رہتی ہیں لیکن تمھیں یاد ہوگا کہ سرخ ہندیوں کے پاس نہ گھوڑے تھے نہ مویشی اور اس لئے ان کی گذر اوقات محض شکار پر تھی اس کے برخلاف کرغیوں کے پاس بھیڑوں، بکریوں، اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں کی بہتات ہے یہی وجہ ہے کہ وہ شکاری ہونے کے بجائے گڈریے

کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔

تم پڑھ چکے ہو کہ بیزن اور ہرن جب ایک جگہ کی تمام گھاس چر لیتے ہیں تو وہاں سے منہ اٹھا کر کہیں اور چل دیتے ہیں اور اس لئے ہندیوں کو مجبوراً ان کے پیچھے پیچھے جانا پڑتا تھا۔ کرغیوں کے گلّے اور مویشی بھی کچھ عرصے کے بعد ایک مقام کی تمام گھاس ختم کر دیتے ہیں اور کرغیوں کو مجبوراً ان کو لیکر کہیں اور کا رُخ کرنا پڑتا ہے چونکہ یہ لوگ بھی ہندیوں کی طرح خانہ بدوش ہیں اس لئے ان کی زندگی بھی بجائے مکانوں کے خیموں میں بسر ہوتی ہے۔ لیکن ان کے خیمے وگودام مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی دیواریں بھی ہوتی ہیں اور چھت بھی، دیواریں تو اس طرح بناتے ہیں کہ موٹے موٹے ڈوردں کے جال بنا کر ڈنڈوں کے سہارے باندھ دیتے ہیں پھر ان دیواروں پر لکڑی کے ڈنڈوں کو باندھ کر ان کے سروں کو اس طرح جوڑ دیتے ہیں کہ چھت کا ڈھلوان تیار ہو جائے جب یہ

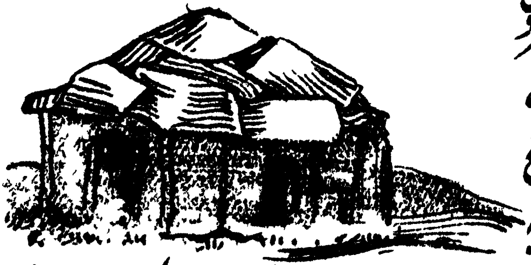

انتظام ہو جاتا ہے تو دیواروں اور چھت سب کو پیمنہ کے ٹکڑوں سے ڈھاپ

کر ان ٹکڑوں کو رسیوں سے باندھ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائیں۔
یہ تمام ٹکڑے اور رسیاں وغیرہ وہ اپنے ہی جانوروں کی اون سے بناتے ہیں
خیموں کو کھڑا کرنے اور اکھاڑنے کا تمام کام عورتوں کے سپرد ہوتا ہے کیونکہ مرد
دن بھر جانوروں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں۔

خیموں کے اندر ہر چیز ہلکی ہوتی ہے تاکہ اسے اٹھا کر لے جانے میں دقت
نہ ہو۔ کرغی اپنے خیموں میں اون کے بیش قیمت اور خوبصورت قالین بچھاتے
ہیں مٹی کے برتن یہ لوگ بالکل استعمال نہیں کرتے کیوں کہ یہ بہت آسانی سے
ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کے سب برتن لکڑی کے یا چمڑے کے ہوتے ہیں گھڑے
اور صراحیاں بھی چمڑے ہی کی ہوتی ہیں کیونکہ اگر یہ گر پڑیں تو ٹوٹتی نہیں۔

سرخ ہندیوں کا دار و مدار بی زن پر تھا اور جہاں کہیں یہ جانور جاتے
بے چارے ہندیوں کو پیچھے پیچھے جانا پڑتا تھا لیکن اس کے برخلاف کرغی اپنے
جانوروں کو جہاں کہیں جاتے ہیں ساتھ لے جاتے ہیں ان لوگوں کے پاس
بے شمار جانور ہوتے ہیں اور چونکہ گرمی کے موسم میں گھاس سوکھ جاتی ہے اور
چارے کی بے حد دقت ہوتی ہے اس لئے ہر قبیلے نے ملک کے مختلف حصوں
کو آپس میں بانٹ رکھا ہے۔ قبیلے کے آدمی اپنے علاقے میں جہاں چاہیں

اپنے جانوروں کو لے جائیں، لیکن کسی دوسرے قبیلے کے علاقے میں انھیں ریوڑ چرانے کا حق نہیں اگر ایک قبیلہ کسی دوسرے علاقے میں اپنے مویشی یا ریوڑ لے جائے اور ان کے کنوؤں یا چشموں پر قبضہ جما لے تو دونوں میں فوراً لڑائی چھڑ جاتی ہے۔ ایسے واقعات ان لوگوں میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں اور کرغی بچپن ہی سے لڑنے بھڑنے کا سبق سیکھتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے خیمے ہمیشہ پانی کے قریب کھڑے کرتے ہیں جب چارے کی کمی سے ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جاتے ہیں تو ہمیشہ ایسا مقام پسند کرتے ہیں جہاں پانی کافی ہو۔ ان کے ملک میں پانی بہت کم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایسے مقام کو جہاں پانی ملتا ہو یہ لوگ خوب یاد رکھتے ہیں گرمیوں کے موسم میں کرغی پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں لیکن سردی کا موسم شروع ہوتے ہی پھر میدانوں میں واپس چلے آتے ہیں۔

جب کسی کے پاس بہت زیادہ جانور ہو جاتے ہیں تو انھیں کھلانے پلانے کے لئے زیادہ گھاس اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے جو شخص طاقتور ہوتا ہے وہ دوسرے علاقے میں گھس کر گھاس اور پانی پر قبضہ جما لیتا ہے اور دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی ہے ایسی لڑائیاں اکثر ہوتی رہتی ہیں لیکن

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے ہی قبیلے کے کسی آدمی کے مال کو چھین لے۔
مویشی اور ریوڑ پالنے کے علاوہ یہ لوگ تجارت بھی کرتے ہیں۔ ہر سال
ہزارہا آدمی وسیع میدانوں کو طے کرکے اور ملکوں میں جاتے ہیں اور اپنے
گھوڑوں اور بھیڑوں کو بیچ کر غلّہ کپڑے۔ اور لکڑی کے برتن خرید لاتے ہیں۔
کرغیزوں کی غذا زیادہ تر گوشت ہے جو ان کے اپنے جانوروں کا ہوتا
ہے، گائے کا گوشت وہ پسند نہیں کرتے، لیکن بھیڑ کا گوشت انھیں بہت مرغوب
ہے جب کبھی بڑی دعوت ہوتی ہے تو گھوڑے کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے یہ
کئی کئی روز تک کھائے پئے بغیر رہ سکتے ہیں لیکن اس کے بعد جب گوشت میسّر
آئے تو اتنا کھائیں گے کہ چلنا بھی دوبھر ہو جائے۔ ہماری طرح یہ لوگ روٹی
کھانے کے عادی نہیں ہوتے مویشی

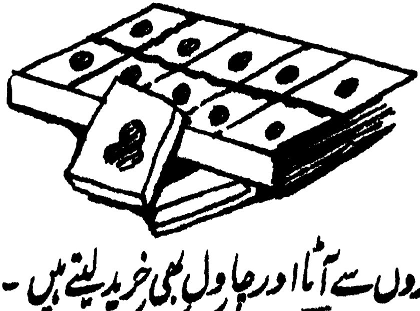

تو گھر گھر ہوتے ہیں اس لئے دودھ
مکھن اور پنیر کا استعمال بہت
ہوتا ہے چائے کا بھی ان لوگوں
کو بے حد شوق ہے، کبھی کبھی تاجروں سے آٹا اور چاول بھی خرید لیتے ہیں۔
جس شخص کے پاس مویشی اور بھیڑیں نہ ہوں وہ کبھی کبھی کھیتی باڑی

کرنے لگتا ہے، لیکن زراعت کے لئے لازم ہے کہ انسان ایک ہی جگہ رہے اور اس سے ان لوگوں کو سخت نفرت ہے، خانہ بدوشی تو ان لوگوں کی گھٹی میں ملی ہوئی ہے انھیں تو اسی میں مزہ آتا ہے کہ آزادی کے ساتھ جہاں جی چاہے پھریں، تازی ہوائیں سانس لیں اور نیلے آسمان کے نیچے چادر تان کر سوئیں۔

اگر کسی کے بہت سے لڑکے لڑکیاں اور ملازم ہوں تو وہ سینکڑوں ہزاروں جانوروں کی دیکھ بھال کر سکتا ہے اور امیر بن سکتا ہے لیکن جس کے پاس ساتھ کام کرنے کے لئے تھوڑے ہی سے آدمی ہوں گے وہ غریب رہے گا، کیوں کہ وہ بڑے بڑے گلوں اور ریوڑوں کی نگہداشت نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ ہر کرغی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا خاندان بہت بڑا ہو، کیوں کہ بڑا خاندان دولت کا ذریعہ ہوتا ہے۔

کرغی ایک لمبا سا ڈھیلا ڈھالا سا لباس پہنتے ہیں جسے خفتان کہتے ہیں یہ اکثر سمور یا اُون کا ہوتا ہے، جاڑے میں اس کے نیچے کرتہ یا پاجامہ بھی پہن لیتے ہیں۔ ان کے بوٹ نرم چمڑے کے ہوتے ہیں اور گھٹنوں تک پہنچتے ہیں۔ ٹوپی بھیڑ کی کھال کی ہوتی ہے۔ جو لوگ امیر ہوتے ہیں وہ

اکثر مخمل کا لباس پہنتے ہیں جس پر سونے اور چاندی کا کام ہوتا ہے اور
اپنی پیٹی، زین اور لگام پر بھی سونا
چاندی اور جواہرات جڑواتے ہیں۔
عورتوں کا لباس بالکل مردوں جیسا
ہوتا ہے البتہ وہ بجائے ٹوپی کے اپنے
سروں پر ایک سفید رومال سا
باندھتی ہیں لڑکے اکثر تو ننگے پھرتے
ہیں یا بہت ہوا تو کرتہ یا پاجامہ پہن
لیا، لیکن لڑکیوں کے کپڑے ایسے
ہی ہوتے ہیں جیسے اپنی ماؤں کے۔

سوِس

یعنی

سوئٹزر لینڈ کے لوگ

اب تم نے تین ایسے لوگوں کے حالات پڑھے ہیں جو میدانوں میں رہتے ہیں۔ اسکیمو برف سے ڈھکے ہوئے میدانوں میں سمندر کے کنارے رہتے ہیں اور مچھلیاں پکڑ کے یا شکار مار کے اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ سرخ ہندی امریکہ کی پریریز میں رہتے ہیں اور شکاری ہیں۔ کرغی وسط ایشیا کے گھاس سے ڈھکے ہوئے میدانوں میں رہتے ہیں اور مویشی اور بھیڑیں پالتے ہیں۔ آؤ اب ہم تمھیں ایک پہاڑی ملک کی سیر کرائیں جس کا نام سوئٹزر لینڈ ہے۔ یہ ایک نہایت خوبصورت ملک ہے اس میں بہت سے اونچے اونچے پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ پہاڑوں کے بیچ میں سرسبز وادیاں ہیں۔ پہاڑوں سے پانی بہہ بہہ کر وادیوں میں آتا ہے اور کہیں تو نالے کی شکل میں شور کرتا ہوا دوڑتا ہے کہیں زمین میں سے پھوٹ کر چشمے کی صورت میں ابلتا ہے اور کہیں کسی

اونچی جگہ سے ایک دم نیچے گر کے آبشار کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اگر

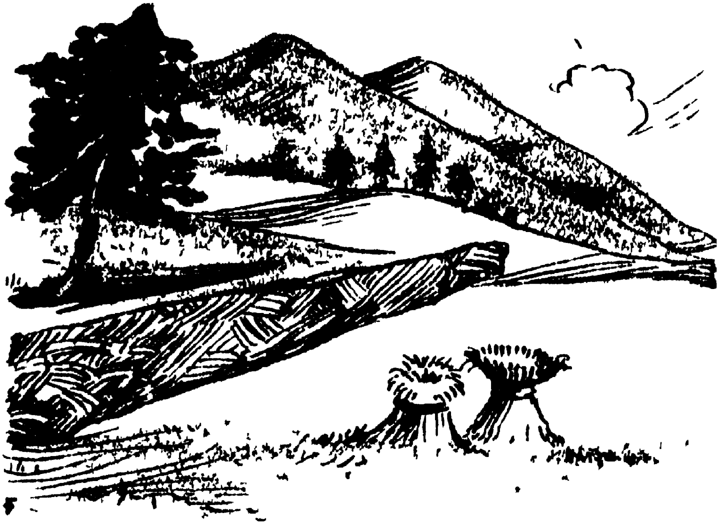

تمھیں سوئٹزرلینڈ کی سیر کرنی ہو تو کشمیر جاکر دیکھو جو سوئٹزرلینڈ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے اور خوبصورتی میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

اگر تم کبھی پہاڑ گئے ہو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ جتنا اوپر جائیں اتنا ہی سردی بڑھتی جاتی ہے، پیداوار گھٹتی جاتی ہے اور راستہ سخت اور دشوار ہوتا جاتا ہے۔ یہی حال سوئٹزرلینڈ کا ہے، بالکل نیچے وادیوں میں جہاں کافی گرمی ہوتی ہے پھل اور خصوصاً انگور خوب پیدا ہوتے ہیں اس سے ذرا اوپر چڑھ کر

سردی اور بارش کی زیادتی ہوتی جاتی ہے لیکن یہاں بھی کئی قسم کا ناج جو سردی کو برداشت کرسکتا ہے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی ذرا اوپر جاکر غلہ اور پھلوں کی پیداوار بالکل بند ہوجاتی ہے۔ لیکن پہاڑ کی ڈھلانوں پر گھاس خوب پیدا ہوتی ہے اور مویشی اور بھیڑیں وغیرہ بہت آسانی سے پالی جاسکتی ہیں اگر اس سے بھی اوپر جائیں تو برف اور سردی کی زیادتی کی وجہ سے کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا اور ہر طرف چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔

شروع شروع میں آدمی تو وادیوں میں آکر رہے ہوں گے۔ جہاں کہ زمین اچھی ہوتی ہے سردی کم اور پیداوار عمدہ ہوتی ہے۔ لیکن جب آبادی بڑھتی چلی گئی اور نیچے آدمی بہت زیادہ ہوگئے تو لوگوں نے اوپر کو بڑھنا شروع کیا اور وہاں کھیت بناکر کاشت شروع کردی رفتہ رفتہ تمام اونچے اونچے علاقے آباد ہوگئے اور جہاں جہاں بھی فصلوں کے پیدا ہونے کے قابل زمین تھی وہاں کھیتی ہونے لگی۔

لیکن پہاڑوں پر کھیتوں کی بے حد حفاظت کرنی پڑتی ہے ہل چلانے کے بعد مٹی پولی ہوجاتی ہے، چونکہ بارش وہاں بکثرت ہوتی ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ پانی کھیت کی تمام مٹی کو لے جائے اور ننگی

چٹانیں پڑی رہ جائیں۔ اس کو روکنے کے لئے کسانوں کو پتھر دں کی دیواریں بنانی پڑتی ہیں، اکثر ٹوکریاں بھر بھر کر کھیتوں میں مٹی ڈالنی پڑتی ہے اور دیوار کی مرمت تو ہمیشہ ہی ہوتی رہتی ہے، یہ سب محنت اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ کھیتوں کی مٹی کٹ کٹ کر نیچے نہ بہہ جائے۔

اس کے اوپر جا کر گھاس کے علاقے ہیں، جہاں گائیں، بھیڑیں اور بکریاں گرمیوں میں آکر چرتی ہیں۔ یہاں کی گھاس ہوتی تو ہے چھوٹی چھوٹی مگر بے حد طاقت بخش اور جو گائیں اسے چرتی ہیں وہ وادیوں کی گایوں سے بہتر دودھ دیتی ہیں۔

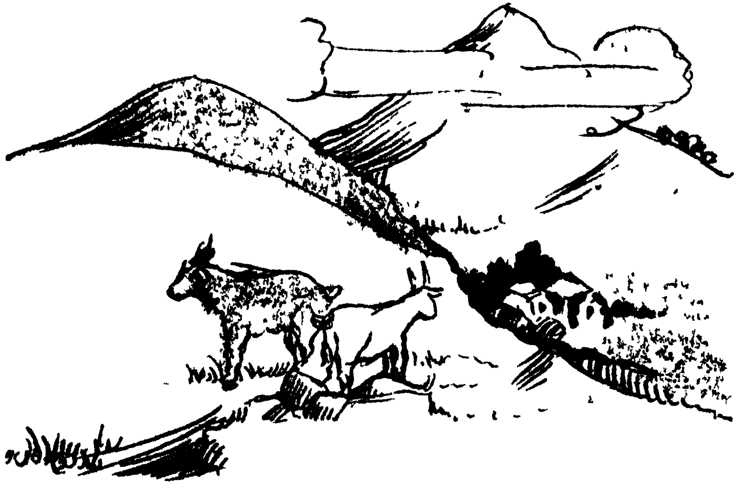

ان گھاس کے علاقوں میں گڈریوں نے جگہ جگہ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے مکان بنا رکھے ہیں جنھیں شلیٹ کہتے ہیں۔ یہاں گڈریئے اپنے جانوروں سمیت آکر گرمیوں گرمیوں رہتے ہیں اور جب جاڑے کا موسم آتا ہے تو نیچے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں، گرمیوں کے شروع میں جب گھر چھوڑ کر اونچے میدانوں کی طرف چلنے کا دن آتا ہے تو تمام گاؤں میں خوشیاں منائی جاتی ہیں

سب آدمی نوکر کے لڑکے اُٹھ بیٹھتے ہیں اور چلنے کی تیاریاں کرتے ہیں، جانور بھی خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اب ہم مویشی خانہ میں بند ہونے کی بجائے تازی ہوا میں ہری ہری گھاس چرتے پھرا کریں گے۔

چونکہ ان اونچے علاقوں سے روز دودھ بیچنے بھیجنا مشکل ہے اس لئے

کچھ تو جا کر ڈبوں میں بند کر دیا جاتا ہے اور تمام دنیا میں فروخت ہوتا ہے (تم میں سے بھی بعض نے بچپن میں ان ڈبوں کا دودھ پیا ہوگا) اور باقی دودھ کا پنیر بنا لیتے ہیں۔ اور جب جاڑا آتا ہے تو لوگ منوں پنیر نیچے لاتے ہیں۔

گرمیوں کے موسم میں تو مویشی میدانوں میں چرتے پھرتے ہیں لیکن جاڑے کے موسم میں یہ ممکن نہیں تب انھیں نیچے لا کر مویشی خانوں میں بند کر دیتے ہیں۔ اور سوکھی گھاس اور چارہ کھلاتے ہیں، اسی لئے جب گرمیوں میں آدھے گاؤں والے اوپر جا کر مویشی کی نگرانی کرتے ہیں تو بعض لوگ نیچے رہ کر کھیتی باڑی کرتے ہیں اور جاڑوں کے لئے گھاس سکھاتے ہیں۔ پہاڑوں میں آئے دن بارش ہوتی رہتی ہے اور بادلوں کی وجہ سے سورج بہت کم نکلتا ہے اس لئے گھاس کا سکھانا مشکل ہوتا ہے جس روز معلوم ہوتا ہے کہ آج دھوپ نکلے گی تو کسان تھوڑی سی گھاس کاٹ اپنے بچوں اور آدمیوں کو جمع کر لیتا ہے اور سب مل کر اسے الٹتے پلٹتے ہیں تاکہ وہ جلدی سوکھ جائے یا اسے دھوپ کے رُخ لکڑی کے ڈنڈے پر لٹکا دیتے ہیں، شام کو سوکھی ہوئی گھاس کے گٹھے باندھ کر کوٹھری میں بند کر دئے جاتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں گھاس بہت کم ہوتی ہے اس لئے کسان اس کی ایک پتی بھی ضائع نہیں ہونے دیتے

سُوس لوگوں کے گھر بہت آرام دہ ہوتے ہیں۔ لمبائی چوڑائی تو ان کی کافی ہوتی ہے لیکن وہ بہت اونچے نہیں ہوتے ان کو اس طرح بنایا جاتا ہے کہ سخت سے سخت طوفان اور تند سے تند ہوائیں بھی انھیں نقصان نہ پہنچا سکیں، مکان کا نچلا حصّہ تو پہاڑی پتھر جمع کرکے بناتے ہیں اور اوپر کا حصہ پہاڑی جنگلوں کی لکڑی سے۔ نچلے حصے میں جو پتھر کا ہوتا ہے سامان رکھنے کی کوٹھریاں ہوتی ہیں اور اوپر کے حصّے میں جو لکڑی کا ہوتا ہے لوگ رہتے ہیں، مکان کی پشت پر اصطبل اور مویشی خانے ہوتے ہیں

یہ لوگ سوائے اتوار کے گوشت بہت کم کھاتے ہیں، البتہ دودھ مکھن اور ڈبل روٹی کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ کپڑے عام طور پر اون کے ہوتے ہیں جنھیں عورتیں گھر ہی میں بن لیتی ہیں۔

سوئٹزرلینڈ کی آب وہوا اور زمین ایسی ہے کہ باوجود انتہائی کوشش کے پیداوار کافی نہیں ہوتی، گرمیوں بھر تمام آدمی بے انتہا محنت کرتے ہیں لیکن جب سردی کا موسم آتا ہے تو سوائے مویشی کو چارہ کھلانے کے اور کچھ کام نہیں ہوتا، اس لئے خالی وقت میں بہت سے لوگ لکڑی کی نقشی چیزیں بناتے ہیں جو مختلف ملکوں میں اچھے داموں بکتی ہیں

لیکن اس کے باوجود بھی بہت سے لوگوں کے پاس کچھ کام نہیں ہوتا اور وہ خالی بیٹھنے کے بجائے جاڑے جاڑے کسی اور ملک میں جا کر کوئی کام ڈھونڈھ لیتے ہیں۔

تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ جب وادی میں آبادی بہت بڑھ جاتی ہے تو لوگ اونچے علاقوں میں جا کر رہنے لگتے ہیں، یہاں بھی جب لڑکے لڑکیاں بڑے ہو گئے اور آبادی بڑھ گئی تو بہت دقت پیش آتی ہے۔ نہ سب کے لئے کافی کھانا ہوتا ہے نہ کام، مجبوراً بہت سے لوگ اپنے خوبصورت وطن کو چھوڑ کر غیر ملکوں میں جا بستے ہیں اور جو دیس چھوڑ کر اور ملکوں میں نہیں جا بسے ہیں وہ بھی جاڑے کے زمانے میں باہر جا کر کسی نہ کسی قسم کا روزگار تلاش کر لیتے ہیں۔

جب فصلیں کٹ جاتی ہیں اور مویشی پہاڑوں سے نیچے اتر آتے ہیں تو سینکڑوں کسان اپنے گاؤں چھوڑ کر شہروں میں چلے جاتے ہیں اور وہاں ملازمت اختیار کر لیتے ہیں جب جاڑے ختم ہو جاتے ہیں اور کھیتوں میں کام کرنے یا مویشی کو پہاڑ پر لے جانے کے دن آتے ہیں تو یہ لوگ پھر خوشی خوشی گھر کا رُخ کرتے ہیں۔

بدّو عرب

ہم نے یہ کتاب برفانی صحراؤں کے حال سے شروع کی تھی جہاں اسکیمو رہتے ہیں۔ یہ برفانی صحرا دنیا کے شمال میں واقع ہیں، لیکن اُن سے بہت کچھ جنوب کی طرف گرم صحرا ہیں جہاں اسکیموؤں کے ملک کی طرح کچھ پیدا نہیں ہوتا اور جہاں بجائے برف پڑنے کے بے حد سخت گرمی ہوتی ہے اِس قسم کے گرم صحرا دنیا میں بہت سے ہیں، لیکن اس سبق میں ہم تمھیں صحرائے اعظم کا حال سنائیں گے جو افریقہ میں واقع ہے اس صحرا میں بہت سی قومیں رہتی ہیں لیکن ہم خاص طور پر عرب بدوؤں کا ذکر کریں گے۔

صحرائے اعظم ایک بڑا وسیع علاقہ ہے جس کا چپہ چپہ ریت سے ڈھکا ہوا ہے اِس ریت کا رنگ کہیں تو سفید ہے کہیں فاختئی اور کہیں سنہری تم یہ نہ خیال کرنا کہ صحرا تمھارے کمرے کے فرش کی طرح ہموار ہے بلکہ اس میں جگہ جگہ ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ہیں۔ گرم آندھیاں آتی ہیں جو ہزاروں من ریت اڑا کرلے جاتی ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کل جو ٹیلا یہاں کھڑا

دے رہا تھا آج وہ غائب ہے اور جہاں زمین بالکل ہموار تھی وہاں ریت کا ایک چھوٹا سا ٹیلا بن گیا ہے۔ دوپہر کو اس قدر سخت گرمی پڑتی ہے کہ لوگ کچھ کام نہیں کر سکتے اور عام طور پر اپنے گھروں میں آرام کرتے رہتے ہیں۔ گرمی کی وجہ سے سفر بھی زیادہ تر رات ہی کو ہوتا ہے۔

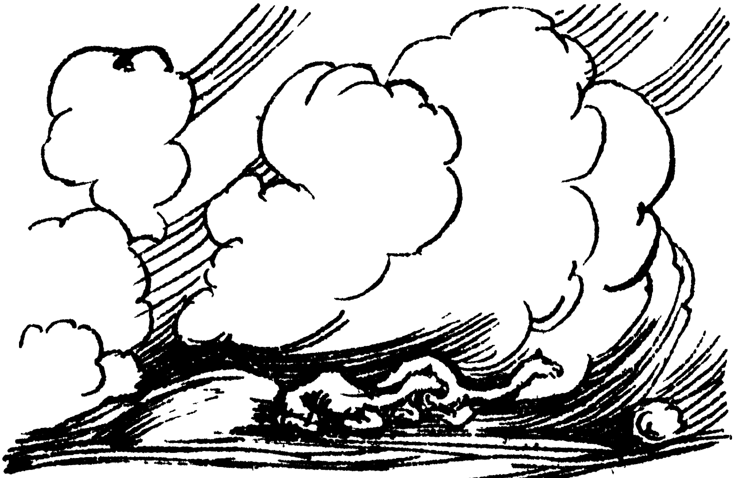

اکثر اوقات کئی کئی برس تک بارش نہیں ہوتی اور زمین بالکل سوکھ جاتی ہے میلوں تک جدھر نگاہ اُٹھاؤ سوائے ریت اور پتھروں کے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ پانی کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا اسی وجہ سے اُگتا بھی

کچھ نہیں کبھی کبھی ریت کی آندھیاں اٹھتی ہیں جنھیں بادِ سموم کہتے ہیں تپتے ہوئے ریت کے بادل کے بادل اٹھتے ہیں جو ہر چیز کو جھلس دیتے ہیں۔

ہوا آگ کی طرح گرم ہو جاتی ہے اور شعلے کی طرح جلا ڈالتی ہے ایسے موقعوں پر جان بچانے کی ایک ہی ترکیب ہے اور وہ یہ کہ تمام آدمی زمین پر چپت لیٹ جائیں اور بدن کو کپڑوں سے خوب ڈھک لیں اور جانور اپنے نتھنے بند کر کے ریت میں منھ چھپا لیں۔

صحرا کے اس قدر چٹیل اور اجاڑ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں بارش نہیں ہوتی۔ زمین تو وہاں کی اچھی ہے، لیکن پانی کی کمی کی وجہ سے کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ کہیں کہیں جہاں کنوئیں ہیں لوگ باغات لگاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ایسے سرسبز مقامات کو نخلستان کہتے ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو صحرا میں

یہ طویل سفر کرنا ناممکن ہو جاتا۔

نخلستان والوں کی زندگی صحرا میں رہنے والوں سے بہت مختلف ہوتی ہے اور مویشی، بھیڑیں اور بکریاں پالی جاتی ہیں۔ یہاں کے رہنے والے کاشت کرنے اور جانور پالنے کے علاوہ، کھجوریں سکھاتے، مٹی کے برتن بناتے ہیں، بکریوں کی کھالوں سے چمڑا تیار کرتے اور جانوروں کی اون سے کمبل اور قالین بناتے ہیں۔ صحرا میں سفر کرنے والے جب نخلستان میں ہو کر گذرتے ہیں تو یہ لوگ ان سے خرید و فروخت کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو نخلستان میں رہنے کے بجائے صحرا میں پھرتے رہتے ہیں بدو کہلاتے ہیں۔ ان کی زندگی نخلستان والوں سے بہت مختلف ہوتی ہے یہ لوگ مویشی اور بھیڑ بکریاں پالتے ہیں۔ صحرا میں اول تو گھاس پانی بہت کم ملتا ہے، دوسرے جتنا ہوتا ہے وہ بہت جلد خرچ ہو جاتا ہے تب یہ لوگ اپنے ڈیرے اٹھا کر کہیں اور جا بسیرا کرتے ہیں۔ ان بیچاروں کو بہت زیادہ عرصہ تک ایک جگہ رہنا نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ ساری عمر اس طرح کٹتی ہے کہ آج یہاں اور کل وہاں، اس لئے انھیں خانہ بدوش کہتے ہیں۔

ان لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا سہارا اونٹ ہے۔ ہندوستان

ہیں اس غریب جانور پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اونٹ رے اونٹ تری کون سی کل سیدھی" لیکن اس کی قدر و قیمت عربی بدوؤں سے پوچھو۔ یہ غریب

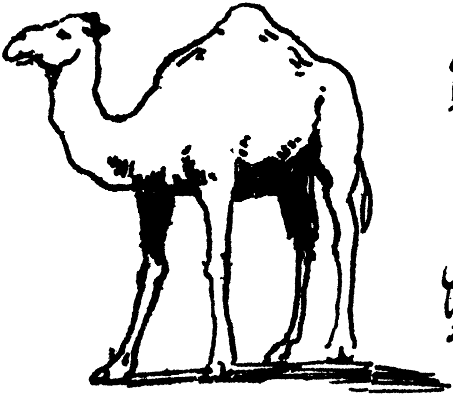

اور محنتی جانور صحرا میں رہنے والوں کا بڑا رفیق ہے خدا نے اس کی گردن لمبی بنائی ہے اور منہ سخت، تاکہ صحرا میں جہاں کہیں کانٹے اور جھاڑیاں ملیں یہ انھیں رُکے بغیر بلا تکلف کھاتا چلے۔ یہ اپنے کوہان میں چربی اور پیٹ میں پانی کا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے اور اس لئے کئی کئی روز تک بغیر کھائے پئے سفر کر لیتا ہے جب ریت کی آندھیاں اٹھتی ہیں تو یہ اپنے نتھنے بند کر لیتا ہے، اس کی لمبی لمبی پلکیں آنکھوں کو سورج کی چمک سے بچاتی ہیں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جب اونٹ کو لادتے ہیں تو اُسے گھٹنوں کے بل زمین پر بٹھا دیتے ہیں اسی لئے خدا نے اس کے گھٹنوں پر سخت سخت گدیاں سی پیدا کر دی ہیں۔ عرب اونٹوں کا دودھ پیتے ہیں اور کبھی کبھی اس کا گوشت بھی کھا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے

اؤن سے رسیاں کپڑے اور کمبل بناتے ہیں ۔

یہ لوگ چونکہ خانہ بدوش ہوتے ہیں اس لئے خیموں میں رہتے ہیں۔ ان کے خیمے بکریوں کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں، اول انھیں بہت سی بلیاں اور ڈنڈے لگا کر کھڑا کرتے ہیں اور

پھر چاروں طرف جو رسیاں لگی ہوتی ہیں انھیں میخوں میں باندھ کر میخیں زمین میں ٹھونک دیتے ہیں۔ خیمے کے اندر بیچوں بیچ ایک پردہ باندھ دیتے ہیں تاکہ ایک حصّہ زنانہ رہے اور ایک مردانہ۔ صحرا کا صاف شفاف ریت فرش کا کام دیتا ہے۔ لیکن شب کے وقت کمبل اور قالین وغیرہ بچھا دئے جاتے ہیں تاکہ خیمے والے ان پر آرام سے سو سکیں، کاٹھیاں، کپڑوں کے صندوق خوب صورت چٹائیاں اور کمبل وغیرہ سب قرینے سے مناسب موقع پر رکھ دئے جاتے ہیں۔

جب کسی دوسری جگہ کوچ کرنا ہوتا ہے تو خیمے کو چند منٹ میں اکھاڑ

لیتے ہیں، بلیوں اور ڈنڈوں، اوپر کے کپڑوں، کمبلوں اور میخوں سب کے الگ الگ بنڈل بنا لیتے ہیں، ایک اونٹ کو گھٹنوں کے بل ریت پر بٹھا کر اس پر خیمہ اور بلیاں وغیرہ لاد دئے جاتے ہیں، دوسرے پر چٹائیاں، تکیے، کھجوروں کے تھیلے اور باقی سامان اور ایک تیسرے پر اونٹ کی کھال کی مشکوں میں پانی اور بکری کی کھال کے مشکیزوں میں

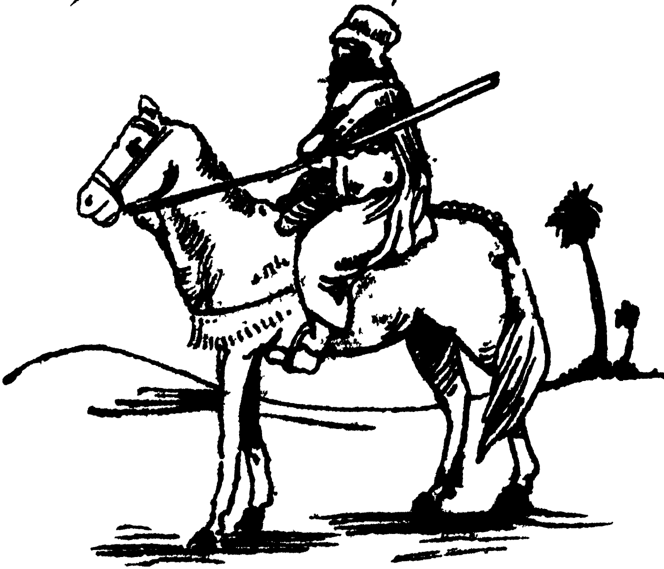

دودھ بھر کر لاد دیتے ہیں۔ جب یہ سب تیاری ہو چکتی ہے تو عورتیں اور بچے اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں اور مرد گھوڑوں پر چڑھ کر آگے آگے چلتے ہیں۔ بیچارے

ملازموں کو پیدل چلنا پڑتا ہے۔

عربی گھوڑے تمام دنیا میں اپنی خوب صورتی، تیزی، بہادری اور وفاداری کے لیے مشہور ہیں اور وہاں کے باشندے انھیں عزیزوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔ جب دوپہر کو گرمی کے باعث سفر روک دیا جاتا ہے تو گھوڑے خیموں میں باندھ دئے جاتے ہیں تاکہ گرمی سے محفوظ رہیں۔ کسی عرب کو خواہ کتنا ہی لالچ کیوں نہ دو وہ اپنا گھوڑا بیچنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوگا۔

صحرا اسٹے پیز سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے لیکن یہاں اسٹے پیز سے بھی کم گھاس اور پانی دستیاب ہوتا ہے، اس لیے یہاں کے مویشی اور ریوڑ قد میں سب سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کنوئیں اس ملک میں بہت کم ہیں اور ہر قبیلہ چاہتا ہے کہ کسی اچھے سے کنوئیں پر قبضہ جما لے۔ اسی سے بدوؤں کے قبیلے ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ لڑنے بھڑنے کے علاوہ یہ لوگ لوٹ مار کے بھی عادی ہوتے ہیں۔

بدو بڑے بہادر مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں۔ جنگلوں میں رہنے سہنے سے ان لوگوں کی آنکھیں اور کان بہت تیز ہو جاتے ہیں۔ یہ دور دور کی آوازوں کو سن سکتے ہیں اور بہت فاصلے کی چیزوں کو دیکھ

سکتے ہیں۔ اپنی آزاد اور صحرائی زندگی انھیں بے حد پسند اور پیاری ہوتی ہے اور یہ اُن شہری عربوں کو جو نخلستان کے قریب چھوٹے چھوٹے قصبوں میں رہتے ہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

صحرا میں گذارہ بہت مشکل سے ہوتا ہے اور بہت سے بدّو مجبور ہو کر تجارت کرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے گھوڑوں کے بچے، مکھن اور نمک جو صحرا میں پایا جاتا ہے فروخت کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں آٹا، قہوہ، کپڑے اور اپنے گھوڑوں کے لئے جو خرید لیتے ہیں۔

بہت سے بدو شتربانی کر کے یا قافلوں کے رہبر بن کر اپنا پیٹ

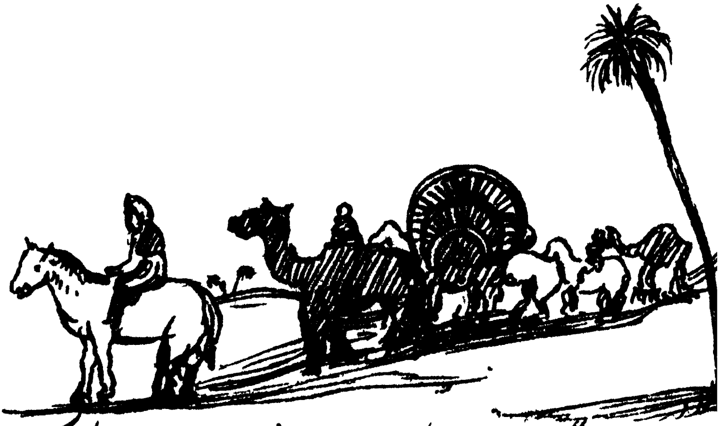

پالتے ہیں۔ جو لوگ صحرا کا سفر کرتے ہیں انھیں ڈر رہتا ہے کہ کہیں

ہم راستہ بھول کر لیٹروں کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائیں یا ایسے علاقے میں نہ جا نکلیں جہاں کوئی کنواں نہ ہو۔ اس لئے مسافر بڑے بڑے قافلے بنا کر چلا کرتے ہیں اکثر اوقات سینکڑوں اونٹوں کی لمبی لمبی قطاریں مل کر صحرا کا راستہ طے کرتی دکھائی دیتی ہیں جب بہت سے لوگ اس طرح قافلہ بنا کر چلتے ہیں تو اسے کارواں کہتے ہیں۔ کارواں کے رہبر راستے سے خوب واقف ہوتے ہیں اور انھیں اجرت بھی بہت معقول ملتی ہے۔ کیونکہ اگر راستہ بھول جائیں تو تمام قافلے کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

افریقہ کے بونے

تم ابھی پڑھ چکے ہو کہ صحرا میں گرمی ہوتی ہے اور بارش بہت کم لیکن دنیا کے ایسے حصے بھی ہیں جہاں گرمی تو صحرا کی طرح نہایت سخت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مینہ بھی خوب برستا ہے بلکہ بعض مقامات پر تو تقریباً روز بارش رہتی ہے ان علاقوں میں بہت گھنے بن ہوتے ہیں جن کے اندر درختوں کی شاخوں اور پتوں کی وجہ سے ہمیشہ اندھیرا چھایا رہتا ہے۔

جس بن کا ہم ذکر کرنے والے ہیں وہ افریقہ میں دریائے کانگو کے دہانے پر واقع ہے اور اس میں بونے یعنی چھوٹے قد

گے لوگ رہتے ہیں۔

اس بن کے درخت لاکھوں روپئے کی قیمت کے ہیں ان میں سے اکثر تو دواؤں میں کام آتے ہیں بعضوں کے تختے کشتیوں اور مکانوں کے لئے کار آمد ہیں اور بعض سے مختلف کھانے کی چیزیں اور بڑا اور بہت سی مفید اشیاء حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس بن کی آبادی بہت تھوڑی ہے۔ یہ ملک دولت سے مالا مال ہے، لیکن اس دولت کا حاصل کرنا مشکل ہے، بن میں درخت پودے اور جھاڑیاں اس کثرت سے ہیں کہ چلنے کے لئے راستہ بھی نہیں ملتا۔ جو چند راستے ہیں وہ بھی بیحد تنگ اور اگر ان کی برابر نگہداشت نہ کی جائے تو درخت اور جھاڑیاں بہت جلد پھیل کر ان کا نشان مٹا دیتی ہیں اگر کوئی شخص پھر وہاں سے گذرنا چاہے تو اسے نئے سرے سے جھاڑ جھنکار کو کاٹ کر راستہ بنانا پڑے گا، جنگلی جانور تک اپنے لئے راستہ بنا لیتے ہیں اور ہمیشہ انھیں پر چلتے ہیں یہ جانور خاص بن میں تو کم پائے جاتے ہیں لیکن باہر کے علاقوں میں ان کی بہت کثرت ہے۔

جب بونے کسی مقام پر کچھ عرصے کے لئے رہنا چاہتے ہیں تو وہ درختوں کو جلا کر تھوڑی سی جگہ صاف کر لیتے ہیں اور یہاں شاخوں اور پتوں سے اپنی جھونپڑیاں بنا لیتے ہیں پہلے تو پتلی پتلی شاخوں

کو زمین میں گاڑتے اور انھیں اوپر سے موڑ کر ملا کے باندھتے ہیں اور پھر اس ڈھانچ کو بلیوں اور کیلے کے پتوں سے ڈھک دیتے ہیں۔

ہر جھونپڑی میں تقریباً آٹھ نو آدمی رہتے ہیں اِن سب کا ایک ایک سردار ہوتا ہے جو لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے، جھونپڑی کا سارا مال و اسباب صرف چند مٹی کے برتن ہوتے ہیں

بونے اپنے کھانے کے لئے کاشت نہیں کرتے۔ بلکہ جانوروں کا شکار کرکے اور مچھلیاں پکڑ کے پیٹ بھرتے ہیں۔ اسکیموؤں سرخ ہندیوں اور کرغیزوں کی طرح وہ بھی خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ شکار کے لئے وہ تیر کمان استعمال کرتے ہیں اور انھیں اس قدر مشق ہوتی ہے کہ اگر چار تیر چلائیں تو قبل اس کے کہ پہلا تیر نشانہ پر لگے آخری تیر کمان سے چھوٹ چکا ہوگا وہ اپنے

چھوٹے چھوٹے تیروں سے ہاتھی تک کو مار لیتے ہیں۔ پہلے تو وہ اس کی آنکھ
میں تیر مار کر اسے اندھا کر دیتے ہیں اور پھر اس کا پیچھا کرکے اپنے نیزوں اور
تیروں سے کام تمام کر دیتے
ہیں، انھیں صرف اس کے گوشت

کا لالچ ہوتا ہے دانتوں کی جو
بڑے بیش قیمت ہوتے ہیں، وہ
پروا بھی نہیں کرتے، مچھلی وہ بغیر
کانٹا لگائے تھوڑے سے گوشت اور چھوٹی سی رسی سے پکڑ لیتے ہیں۔ کبھی
وہ بن میں گڑھے کھود کر انھیں پتوں سے ڈھک دیتے ہیں، بڑے بڑے
جانور ان میں گر پڑتے ہیں اور یہ انھیں مار کر کھا جاتے ہیں۔

بونے شکار کھیلنے، مچھلیاں پکڑنے، تیر بنانے اور گڑھے کھودنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرتے، اگر انھیں معمولی معمولی چیزوں مثلاً پھلوں چاقوؤں ہتھیاروں یا تمباکو کی ضرورت ہو تو وہ انھیں کسی اور قبیلے سے گوشت ہاتھی دانت، کھالوں اور پروں کے بدلے میں خرید لیتے ہیں۔

کبھی کبھی بونے اپنا مقام کسی ایسے قبیلے کے پاس بناتے ہیں جو

کاشت کرتا ہو۔ کیلوں کے درخت لگاتا ہو۔ یہ لوگ کیلوں کے عاشق ہوتے ہیں اور ایک ہی دفعہ میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ تک کھا جاتے ہیں، کسی جانور کو مار کر وہ اس کے گوشت کے ٹکڑے کو کیلے کے درخت سے باندھ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس طرح کیلوں کی قیمت ادا کر دی۔ پھر جتنے کیلے دل چاہتا ہے توڑ کر لے جاتے ہیں۔

سال میں آٹھ مہینے برابر بارش ہوتی رہتی ہے اور تمام بن دلدل بن جاتا ہے۔ اس وقت بونوں کو کھانے کی بڑی تکلیف ہوتی ہے اور وہ چوہے مینڈک تک کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ اکثر کو زکام ہو جاتا ہے اور کھانسی ناک میں دم کر دیتی ہے۔ طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں اور زندگی دوبھر ہو جاتی ہے

بن میں اس قدر گرمی ہوتی ہے کہ بونے کپڑے بالکل نہیں پہنتے۔ مرد تو محض کپڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا باندھ لیتے ہیں اور عورتیں چند پتے۔ بونے ہوتے ہیں قد کے چھوٹے۔ لیکن ان کے مضبوط اور بہادر ہونے میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا، اگر وہ کمزور ہوتے تو بن میں زندہ رہنا اُن کے لئے ناممکن ہو جاتا۔ باوجود گرمی کے ان لوگوں کو پانی سے محبت نہیں ہوتی اور

نہ نہانے کا شوق ہوتا ہے۔ نہ تیرنے کا۔ گانا بجانا تو انھیں آتا نہیں لیکن ناچنے کا بے حد شوق ہوتا ہے۔ ایک شخص کمان لے کر اس کی تان کو تیر سے بجاتا ہے اور لوگ ایک حلقے میں کھڑے ہو کر خوب تھرکتے ہیں۔

ان لوگوں کی زندگی بھی عجیب ہے! نہ انھیں کھانا ٹھیک طرح پکانا آتا ہے نہ کپڑے پہننا۔ سوائے پیٹ بھرنے کے اور کوئی فکر نہیں۔ نہ ماں باپ کا خیال نہ بیوی بچوں کی پروا۔ غیر تو در کنار، انھیں اپنوں سے بھی محبت نہیں ہوتی۔ دنیا میں آتے ہیں اور جس طرح ہو سکتا ہے اپنی زندگی کے دن کاٹ کر چل بستے ہیں۔ ہر روز انھیں نئے خطروں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ان کی آنکھیں اور کان بہت تیز ہو جاتے ہیں۔ وہ بن کے تمام راستوں سے واقف ہوتے ہیں اور ناواقفوں کی رہبری کر سکتے ہیں۔

وہ اجنبیوں کا بن میں آنا پسند نہیں کرتے انھیں دیکھ کر یا تو بھاگ جاتے ہیں یا موقعہ ملے تو مار ڈالتے ہیں۔ وہ جھاڑیوں میں چھپ جاتے ہیں اور پتوں کی آڑ سے کو تیر مارتے ہیں۔ یا کبھی رسی لے کر اس کا ایک سرا تو اپنے پاؤں میں باندھتے ہیں اور دوسرا درخت میں۔ جب اجنبی قریب آتا ہے تو وہ اپنے پاؤں کو ہلاتے ہیں جس کی وجہ سے درخت بھی ہلنے لگتا ہے

مسافر ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور فوراً بونے کا تیر اس کی پیٹھ پر پڑ کر اس کا کام تمام کر ڈالتا ہے۔

قدرت کے کارخانے دیکھو، اسکیمو اور بونے دونوں اسی دنیا کے رہنے والے ہیں لیکن اسکیمو کو پتہ نہیں کہ بن کیا ہوتے ہیں اور ہاتھی کس چیز کا نام ہے اور بونے نہیں جانتے کہ برف کسے کہتے ہیں اور سلیج یا کیاک میں بیٹھنا کیا ہوتا ہے۔ لیکن دونوں کی زندگی کی بہت سی مجبوریوں نے بہت سی باتیں سکھا دی ہیں تاکہ وہ اپنا پیٹ بھر سکیں اور زندگی میں جو خطرے پیش آئیں ان کا مقابلہ کر سکیں۔

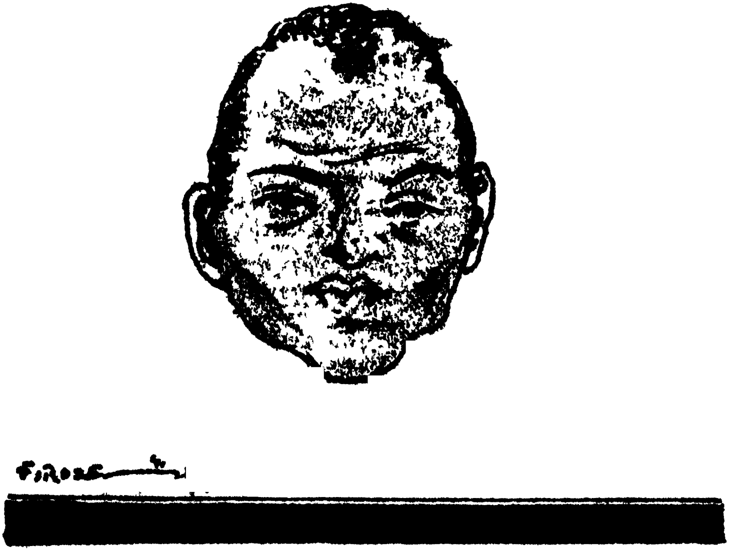

سیوانا کے حبشی

تم پڑھ چکے ہو کہ صحرا میں درخت بالکل نہیں ہوتے اور اس کے برخلاف بونوں کے گرم بنوں میں بے حد بارش کے باعث درختوں کی کثرت ہوتی ہے، ان دونوں علاقوں کے درمیان ایک خطہ ہے، جہاں

درخت بھی ہوتے ہیں اور گھاس بھی یہاں بارش بھی بہت کافی ہوتی ہے لیکن جیسے ہندوستان میں مینھ زیادہ تر برسات کے موسم میں برستا ہے اسی طرح وہاں بھی بارش ایک خاص موسم میں ہوتی ہے۔ وہاں گھاس ہندوستان کی گھاس سے مختلف اور آدمی کے قد سے بھی زیادہ بلند ہوتی ہے۔

گھاس کے علاقے کو سیوانا کہتے ہیں، یہاں مختلف قسم کے حبشی ہوتے

ہیں۔ تم نے کبھی حبشی کو دیکھا ہے۔ یہ لوگ بے حد سیاہ فام ہوتے ہیں اور ان کی ناک چپٹی، ہونٹ موٹے دانت سفید اور بال بھیڑ کی اُون کی طرح موٹے اور گھونگر والے ہوتے ہیں، ان کی سیاہ جلد اور اُون جیسے بالوں کی وجہ سے گرمی کی تیزی ان پر اپنا اثر نہیں کر سکتی۔

سیوانا کے مختلف حصّوں میں مختلف قسم کے حبشی بستے ہیں، ان کی عادتوں لباس اور رہنے سہنے کے طریقوں میں بھی کچھ فرق ہوتا ہے، لہذا ہم اس سبق میں صرف ان لوگوں کا ذکر کریں گے جو مائی گیریا میں رہتے ہیں۔

سب سے پہلی بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ گھاس کی بہتات ہے

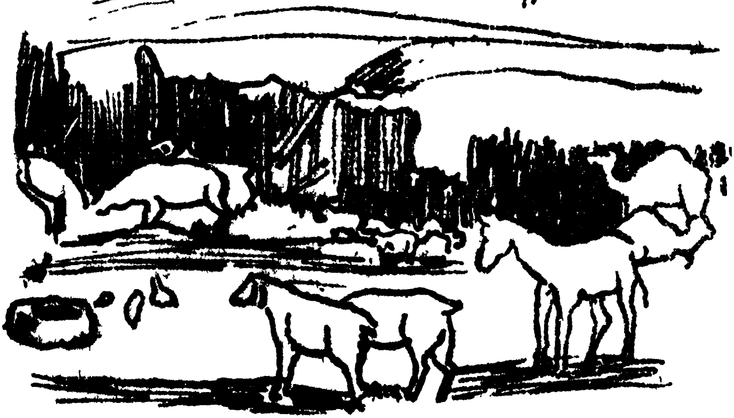

جس سے ہم فوراً نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس ملک میں مویشی اور ریوڑ پائے جاتے

ہوں گے، گھوڑے، اونٹ گدھے، گائے بھیڑیں اور بکریاں سبھی یہاں موجود

ہیں تمہیں یاد ہوگا کہ
اسٹے پیزیں کہ غیوں
کے جانور آزادی کے
ساتھ گھاس چرتے پھرا
کرتے ہیں لیکن سیوانا
کے جانور اگر ایسا کریں
تو شیر اور دیگر وحشی
جانوران کا کام تمام
کردیں، یہی وجہ ہے کہ حبشی رات کو اپنے جانور کھلے نہیں چھوڑتے۔

اگرچہ سیوانا میں درخت ہوتے ہیں لیکن وہ ہندوستان کی طرح ایک دوسرے سے فاصلے پر اگتے ہیں، اس لئے کھیت بنانے اور ہل چلانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اور بہت سے حبشی کھیتی کیاری کرتے ہیں، چاول مکئی گیہوں، تمباکو، کپاس، کیلوں اور مختلف قسم کے پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت ہوتی ہے اور ہاتھی اور بندر اکثر موقع تاک کر فصلوں پر حملہ کرتے ہیں۔

اس لئے چھوٹے چھوٹے لڑکے کھیتوں میں جا کر بڑے زور شور سے ڈھول بجاتے ہیں تاکہ تمام جانور بھاگ جائیں۔

اس ملک میں کھانے پینے کی کچھ کمی نہیں، یہاں گائے اور بھیڑ کا گوشت کثرت سے مل سکتا ہے، لیکن حبشی تمام طور پر گوشت کی خاطر اپنے جانوروں کو ذبح کرنا پسند نہیں کرتے چاول، مکئی اور گیہوں وہاں خوب پیدا ہوتے ہیں چاول بہت سے طریقوں سے پکا کر کھایا جاتا ہے مکئی کا دلیہ ان لوگوں کو بہت مرغوب ہے۔ ایک برتن میں دلیہ پکا کر اُسے بیچ میں رکھ دیتے ہیں اور سب لوگ فرش پر اس کے چاروں طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے ایک شخص چمچہ بھر کر دلیہ کھاتا ہے اور پھر چمچہ دوسرے کو دے دیتا ہے۔ دوسرا چمچہ بھر کھا کے چمچہ تیسرے کو دے دیتا ہے، کھانے کے بعد ہر شخص بہت سا تازہ دودھ پیتا ہے۔

نائی گیریا میں کپاس پیدا ہوتی ہے اور

وہاں کے باشندے کپڑا بننے میں کافی ہوشیار ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ ملک بیحد گرم ہے اس لئے لوگ بہت کم کپڑا پہنتے ہیں اور بچے تو عام طور پر ننگے ہی

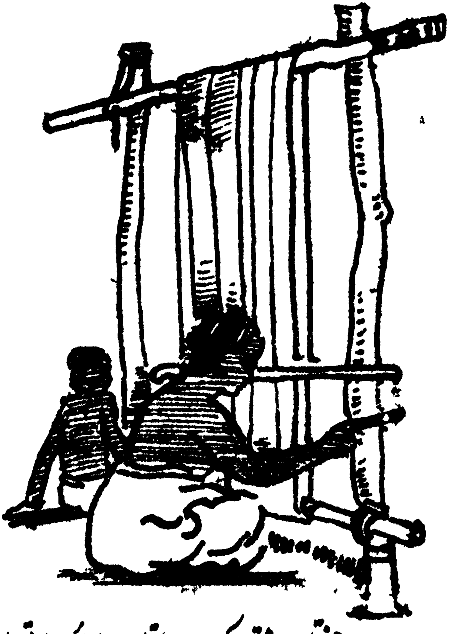

پھرا کرتے ہیں۔ لیکن چھوٹے موتیوں اور پیتل کے کڑوں وغیرہ پہننے کا ان لوگوں کو بے حد شوق ہے۔ کپڑا پہننے کے علاوہ اس ملک کے باشندے بھی کئی دستکاریوں میں ماہر ہیں اس ملک میں لوہا اور مختلف قسم کی دھاتیں پائی جاتی ہیں اور بعض حبشی بڑے ہوشیار ہوتے ہیں اور لوہے کی تلواریں بیش قبض چاقو، نیزے، انگوٹھیاں اور

کپڑے تیار کرتے ہیں اور اپنے جانوروں کی کھالوں سے وہ زین، لگام، جوتے اور بہت سی کار آمد اشیا ر تیار کرتے ہیں، وہ چمڑے کے ڈبے بھی بناتے ہیں جن میں گھی، شہد اور موم کی قسم کی چیزیں رکھی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ وہ اپنے استعمال کے لئے وہ مٹی کے برتن بھی تیار کرتے ہیں۔ ان سب باتوں سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے ہوشیار اور محنتی ہوتے ہیں۔

یہ لوگ تجارت بھی خوب کرتے ہیں۔ سیوانا کے جنوب میں گرم برساتی بن ہیں۔ جن کا حال تم پچھلے سبق میں پڑھ چکے ہو اور شمال میں افریقہ کا صحرائے اعظم ہے ہر سال سینکڑوں بڑے بڑے کارواں بنوں کا مال لاد کر سیوانا میں گذرتے ہوئے ریگستان کا وسیع علاقہ طے کرتے ہیں۔ جن مقامات پر کئی کاروانی راستے ملتے ہیں وہاں بڑے بڑے شہر آباد ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کا ایک شہر کانو ہے اس کی شہر پناہ پندرہ میل لمبی ہے جس کے پندرہ دروازے ہیں۔ دروازے لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر لوہے کی چادریں منڈھی ہوئی ہیں۔ سورج غروب ہونے پر تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جب صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر کھول دیے جاتے

ہیں۔ ہر دروازے پر ایک سنتری خانہ بنا ہوا ہے۔ جس کی چھت پر سنتری پہرا دیتے ہیں تاکہ کوئی شخص دروازہ بند ہونے کے بعد نہ اندر جا سکے نہ باہر آ سکے۔

شہر کے ایک حصے میں لکڑی کی ٹالیں ہیں۔ دوسرے میں گھاس فروخت ہوتی ہے، تیسرے میں چمڑے کا مختلف سامان غرض ہر شے کے لئے علیحدہ منڈی ہے، یورپ کی بنی ہوئی اشیاء کے لئے ایک خاص بازار ہے خرید و فروخت میں کسی قسم کی بے ایمانی یا دھوکے بازی نہیں کی جاتی ہر چیز کی قیمت حاکم شہر مقرر کرتا ہے اور کسی دوکان دار کو اس سے زیادہ مانگنے کا حق نہیں۔

تمہیں معلوم ہے کہ عموماً شہروں میں جو کچھ خریدا جاتا ہے اس کی قیمت روپیوں، پیسوں کی صورت میں ادا کی جاتی ہے لیکن اگر تم کبھی دیہات میں رہے ہو تو تم نے دیکھا ہوگا اکثر اوقات لوگ بہت چیزیں اناج دے کر خریدتے ہیں؛ سیوانا میں بھی روپئے پیسے کا کم استعمال ہے، وہاں کے لوگ ایک چیز کے بدلے دوسری چیز دے کر خرید و فروخت کرتے ہیں، کوئی شخص ایک خوب صورت بیش قبض دے کر ایک بکری لے لیتا ہے، دوسرا کپڑے دے کر برتن خرید لیتا ہے، اس قسم کی خرید

فرد خت کو تبادلہ کہتے ہیں، اگر تم کسی دوکاندار کو اپنی گھڑی دے کر
کرکٹ بیٹ خرید لو تو گویا تم حبشیوں کی طرح تبادلہ کر رہے ہو. سیوانا
کے لوگ روپیہ پیسہ استعمال کرتے بھی ہیں تو وہ ہمارے تانبے یا
چاندی کے سکوں کی طرح نہیں بلکہ کبھی تو وہ لوہے کے پتلے پتلے ٹکڑے
بنا کر چلاتے ہیں اور کبھی کوڑیاں ہی استعمال کرتے ہیں۔

جاپان کے لوگ

ایشیا کے مشرقی ساحل پر جزیروں کا ایک مجموعہ ہے جسے جاپان کہتے ہیں۔ خوب صورت پہاڑوں، دریاؤں اور آبشاروں نے مل کر اس ملک کو نمونہ گلشن بنا دیا ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں سرسبز میدان اور وادیاں ہیں جنھیں پہاڑی نالے سیراب کرتے ہیں، لیکن پہاڑوں کی کثرت ہے اور میدان کم ہیں لہذا ملک کا تھوڑا حصہ کاشت کے قابل ہے۔ اس ملک میں گرمی ہمارے یہاں سے کم ہوتی ہے اور سردی بہت زیادہ، بلکہ بعض حصوں میں تو بالکل ہی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

جاپان کے جزیرے ایشیا کے ساحل سے کچھ زیادہ دور نہیں لیکن اس کے باوجود براعظم اور ان جزیروں کے درمیان گزشتہ زمانے میں بہت کم آمد و رفت تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایشیا اور جاپان کے درمیان جو سمندر حائل ہے اس میں اکثر طوفان آتے رہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں جہاز صرف ہوا کے رخ چلا کرتے تھے جاڑے کے موسم میں ہوا ایشیا سے جاپان

کی طرف چلتی تھی، لیکن برف کے طوفان اور سخت کُہر کی وجہ سے لوگ جاپان نہ جا سکتے تھے۔ گرمی کے زمانے میں موسم تو اچھا ہوتا تھا لیکن ہوائیں جاپان سے ایشیا کی طرف چلتی تھیں اور اس لئے اس موسم میں بھی لوگ ایشیا سے جاپان نہیں جا سکتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاپان کے باشندے مدتوں تمام دنیا سے الگ تھلگ رہے اور اپنے وطن کو دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ پیارا اور خوشنما شمار کرنے لگے۔ جاپانیوں کو اپنے ملک اور اپنی قوم سے بے حد محبت ہے اور ان کا بچہ بچہ اپنے وطن کی خاطر جاں نثار کرنے کو تیار رہتا ہے۔

جاپان میں زلزلے آئے دن آتے رہتے ہیں اور بے انتہا نقصان کرتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ زلزلے کی وجہ سے دس ہزار جانیں ضائع ہوئیں اور ایک لاکھ تیس ہزار مکان گر پڑے۔ اس ملک میں بہت سے آتش فشاں پہاڑ ہیں جو یکایک مشتعل ہو جاتے ہیں اور ان کے دہانوں سے ہزاروں من مٹی، راکھ اور پگھلے ہوئے پتھروں کی رَو جسے لاوا کہتے ہیں نکل کر دور تک پھیل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاپان میں پتھر کے بڑے بڑے مکان بہت کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر پختہ مکانات زلزلے میں

گر پڑیں تو جان و مال کا بے حد نقصان ہو۔ جاپانی مکان بے حد سیدھے سادھے ہوتے ہیں، چاروں کونوں میں چار لکڑیاں کھڑی کر کے ان پر کھپرل یا پھونس کا چھپر ڈال دیتے ہیں۔ دیواریں روغنی کاغذ کی بناتے ہیں

اور شب کے وقت چاروں طرف لکڑی کے تختے لگا دیتے ہیں عام طور پر مکان ایک ہی منزل کے ہوتے ہیں ایسے مکان اگر گر بھی پڑیں تو زیادہ نقصان نہیں کر سکتے اور ان کو دوبارہ بنانے میں خرچ بھی بہت کم بیٹھتا ہے۔ غریبوں کے مکان میں محض ایک ہی کمرہ ہوتا ہے، لیکن رات کے وقت کاغذ کے چوکھٹے کھڑے کر کے اِسے کئی حصّوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ جاپانیوں کو روشنی اور تازہ ہوا کا بے حد شوق ہے مکان کے دروازے سوائے ایسے وقت

کے حبس کہ بے حد سردی یا بارش ہو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں جاپانی مکانوں میں نہ کرسیاں ہوتی ہیں نہ پلنگ کیونکہ وہاں کے لوگوں کا سونا اور اٹھنا بیٹھنا سب کچھ چٹائیوں پر ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹول ضرور ہوتے ہیں تاکہ فرش پر بیٹھ کر ان سے میز کا کام لے سکیں۔

جس ملک میں آتش فشاں پہاڑوں کا زور شور اور زلزلے آئے دن کی بات ہوں وہاں کے باشندے موت اور تباہی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ کیونکہ وہاں مصیبتیں اطلاع دے کر نہیں آتیں ہر جاپانی بچپن ہی سے یہ سبق سیکھتا ہے کہ خطرے کے وقت رونے پیٹنے اور چیخنے چلانے کے بجائے ہمت اور جرات سے کام لے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ موت کی گھڑی آ ہی گئی تو وہ اُف بھی نہیں کرتا اور اس خاموشی سے اپنی جان گنوا دیتا ہے گویا اس کے نزدیک موت بچوں کا کھیل ہے۔ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا ہے اگر اس کے بدن پر کہیں چیرہ لگتا ہے تو چیختا نہیں اگر کوئی اس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئے تو وہ ناراض نہیں ہوتا لیکن وہ خود سب کے ساتھ اخلاق اور شرافت سے پیش آتا ہے۔

جاپان بہت جزیروں سے مل کر بنا ہے اور اس میں سرسبز زمین کی کمی

ہے جب آبادی بہت بڑھنے لگی تو جاپانیوں کو گذارہ کرنا مشکل ہو گیا، انھوں نے اپنی تمام کوششیں زراعت کی ترقی پر صرف کردیں اور رفتہ رفتہ وہ دنیا کے بہترین کسان بن گئے۔ اُن کے ملک کا بہت سا حصّہ پہاڑی اور ناقابلِ زراعت ہے لیکن سرسبز زمین کی کمی انھوں نے اپنی محنت سے پوری کرلی جاپان کے کسان بے حد جفاکش ہوتے ہیں وہ کھیتوں میں ہل چلانے کے بجائے پھاوڑوں سے زمین کھودتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح بہتر فصلیں پیدا ہوتی ہیں ہمارے ملک کی طرح وہاں کھیتوں کی مینڈھ نہیں ہوتی کیونکہ زمین کی قلت کی وجہ سے وہاں

کے کسان ایک انچ بھر زمین ضائع کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جاپان میں سب سے زیادہ

پیداوار چاول کی ہے، کیونکہ چاول کے لئے معتدل آب وہوا اور پانی کی کثرت
کی ضرورت ہے اور ان دونوں چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہیں۔

بہت سے پودے کاغذ بنانے کے کام میں آتے ہیں۔ کاغذ کا جاپان میں بے حد استعمال ہے۔ وہاں مکانوں کی دیواریں کاغذ کی، رومال کاغذ کے، رسیاں کاغذ کی اور ٹوپیاں اور جوتے تک کاغذ کے ہوتے ہیں۔ بعض کاغذ تو ایسا ہوتا ہے کہ پھٹنے میں نہیں آتا اور بعض کاغذ واٹر پروف ہوتا ہے، یعنی بارش کا پانی اس میں سے پھوٹ نہیں سکتا۔

جاپان میں مچھلی بہت کثرت سے کھائی جاتی ہے۔ ماہی گیر کانٹے اور جال دونوں سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ جال گول ہوتا ہے اور اس کے اردگرد سیسے کے ٹکڑے لگے ہوتے ہیں۔ پھر اُبلے ہوئے چاولوں کا ایک گولا بنا کر پانی

میں پھینک دیتا ہے اور جب مچھلیاں اُسے کھانے کے لئے جمع ہو جاتی ہیں تو وہ ان کے اوپر جال پھیلا دیتا ہے۔ جال تھوڑی دیر میں ڈوب کر پانی کی تہ تک پہنچ جاتا ہے اور مچھلیاں اس کے اندر بند ہو جاتی ہیں۔ پھر مچھیرا ایک ڈورا کھینچتا ہے اور جال مع مچھلیوں کے اس طرح بند ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کا بٹوا۔

جاپان میں ایسی گھاس جسے مویشی یا بھیڑیں کھا سکیں بہت کم اُگتی ہے لہذا وہاں نہ تو مکھن اور نہ پنیر بنتا ہے اور نہ اُون دستیاب ہوتی ہے، البتہ ریشم کے کیڑے بہت ہیں اور ریشم اون سے زیادہ سستا ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جاپان میں عام طور پر کپڑے سوتی ہوتے ہیں یا ریشمی۔ جاپان میں پتھر کا کوئلہ اور برتن بنانے کے قابل مٹی بہت کافی مقدار میں موجود ہے اور جاپانی بے حد نفیس اور اعلیٰ قسم کے برتن بناتے ہیں۔

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ جاپانی مدتوں تک دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرتے رہے لیکن اب یہ حالت بدل گئی ہے۔ جاپان نے پچھلے پچاس ساٹھ برس میں حیرت انگیز ترقی کی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ جاپانیوں کو اپنے وطن سے بہت محبت ہے اور وہ قوم کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں

کرنے کو تیار ہیں۔

ان کے پاس بہت سے دخانی جہاز ہیں۔ جنھیں نہ ہواؤں کی پرواہ نہ تو طوفانوں کا خوف اب وہ صرف زراعت پیشہ نہیں رہے بلکہ بڑے زبردست جہاز راں اور تاجر بن گئے ہیں ان کے ایک طرف چین ہے اور دوسری طرف کینیڈا اور امریکہ اور جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر ہندوستان اس لئے ان کی تجارت کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ جاپانی اب طرح طرح کی چیزیں بناتے ہیں اور جنگ یورپ نے ان کی تجارت کو اور بھی چمکا دیا ان کے ملک سے بہت سی چیزیں اور ملکوں کو بھیجی جاتی ہیں، مثلاً ریشم، چائے چاول، پتھر کا کوئلہ، چینی اور مٹی کے برتن اور دیا سلائیاں۔ ان کی تجارتی منڈیاں تمام ایشیا اور یورپ و امریکہ میں پھیلی ہوئی ہیں اور انھوں نے ثابت کر دیا کہ ایشیائی قومیں بھی تجارت اور صنعت وحرفت میں ایسی ہی ترقی کر سکتی ہیں، جیسی یورپ کی قوموں نے پچھلے تین سو سال میں کی ہے